قیمت: چار روپے

انٹرنیشنل

ملی ٹائمز

نئی دہلی

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

روھنگیا مسلمانوں کو انصاف کب ملے گا؟

اس شمارے میں

- ☆ کانشی رام مایاوتی حکومت کو جلد ہی گرادیں گے؟
- ☆ تندور کی آنچ میں بڑے بڑے سیاستداں پگھلنے لگے
- ☆ یہ یوتھ کانگریس ہے یا مجرموں کی چنڈال چوکڑی
- ☆ کیا سعودی عرب لاکھوں یمنیوں کو پھر واپس بلائیگا
- ☆ مصر اور سوڈان کی سرحدی جھڑپیں جنگ کا پیش خیمہ تو نہیں
- ☆ "ہم جانوروں کی زندگی جیتے ہیں" پناہ گزیں فلسطینیوں کی داستان الم
- ☆ دہلی میں موت کی دیوی کا رقص
- ☆ "کانگریس کی سو نسلیں جہنم میں جائیں گی" ٹھاکرے
- ☆ کیا کشمیر میں واقعی انتخابات کی فضا ہموار ہے

اس کے علاوہ دیگر اہم موضوعات اور مستقل کالم

انتخابی بازار میں

مسلمانوں کو بیچنے کی تیاری
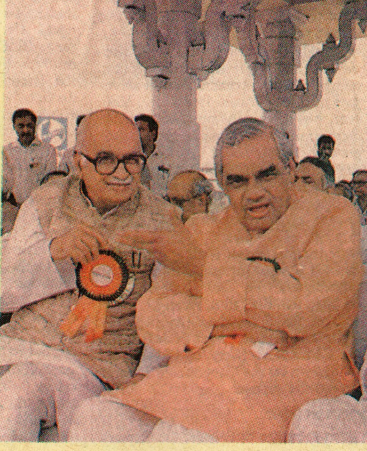
واجپئی اور آڈوانی
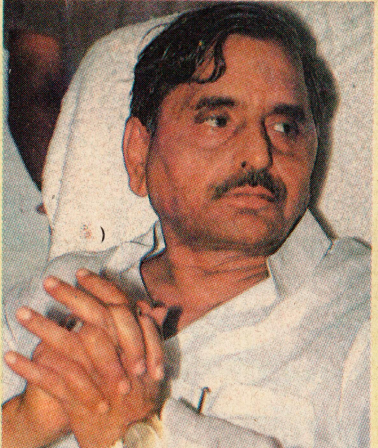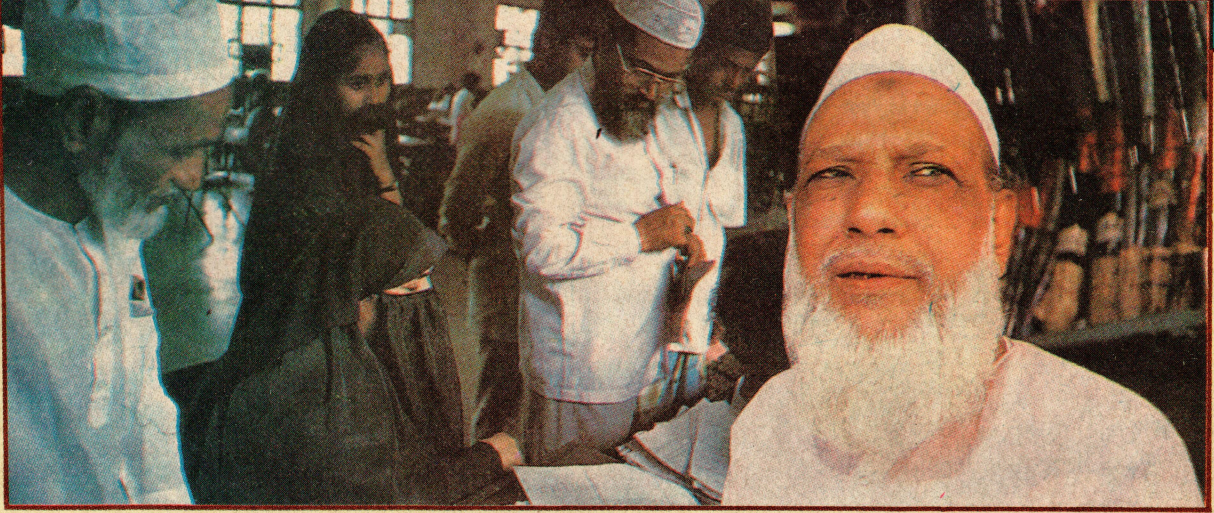
ملائم سنگھ یادو
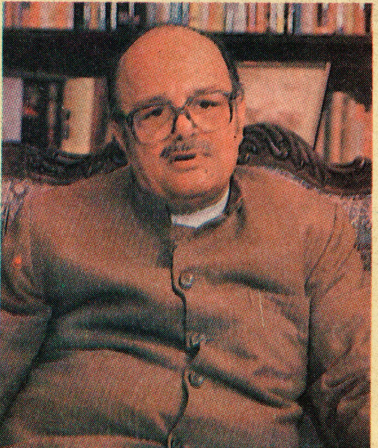
ارجن سنگھ

مایاوتی

نرسمہا راؤ

Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRILANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	US $ 3.00

"وہ سادھو نہیں درندہ ہے، خواتین کی عصمت سے کھیلتا ہے"

ہمیشہ برہنہ رہنے والے آچاریہ پر عصمت دری کا الزام۔ جین سماج میں زلزلہ

اکثر و بیشتر اس قسم کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں کہ فلاں آشرم میں فلاں سادھو خواتین کے ساتھ بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا خواتین کی عصمت پر ہاتھ ڈالتے ہوئے پکڑا گیا، سادھویوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی بھی منظر عام آتی رہتی ہے۔ لیکن ہندو سماج کے ٹھیکیدار اسے ایسے نظرانداز کردیتے ہیں کہ جیسے یہ کوئی واقعہ ہی نہ ہو۔ لیکن مسلم معاشرے کے معمولی سے واقعہ کو بھی یہ لوگ رنگ و روغن لگاکر ایسے چٹپٹے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ جیسے مسلمانوں میں یہی سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں مخرب اخلاق اور حیاسوز حرکات کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور نہ ہی ایسے واقعات ہوتے ہیں جبکہ ہندو مذہب میں دھرم کے نام پر وہ تمام غیر اخلاقی حرکات روا رکھی جاتی ہیں جن کی مہذب سماج میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ کبھی کبھی تو یہ غیر اخلاقی حرکتیں انسانیت سوزی کے دائرے میں آجاتی ہیں اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ان کو بھی دھرم کے نام پر لوگ خاموشی سے برداشت کرلیتے ہیں۔

ایسا ہی کچھ گوالیار کے سنمتی ساگر آشرم میں ہوا ہے۔ یہاں ہونے والے واقعات نے جین دھرم کے ایک بڑے آچاریہ سنمتی ساگر کے غیر انسانی چہرے کو بے نقاب کیا ہے۔ جس سے جین سماج میں تہلکہ سا مچ گیا ہے اور پورے ملک میں جین برادری دو خیموں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ ایک خیمہ آچاریہ سنمتی ساگر کے خلاف کارروائی کرنے کا حامی ہے جبکہ دوسرا خیمہ ان واقعات کو گرو کے خلاف رچی گئی سازش قرار دیتا ہے۔

آچاریہ سنمتی ساگر جین دھرم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا ہیں وہ مادرزاد برہنہ رہتے ہیں اور اپنے

آچاریہ سنمتی ساگر

آشرم میں کنواری دوشیزاؤں کو دیکشا (مذہبی رسم) دے کر انہیں سادھوی بناتے ہیں۔ گذشتہ دنوں تین سادھویوں نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ یہ ہیں سامیا بھوشن، کرن جین اور منورما جین۔ ان برہمچارنیوں نے آشرم کو یہ کہتے ہوئے خیرباد کہہ دیا کہ گرو نہ صرف ان لوگوں کا جسمانی استحصال کرتے ہیں بلکہ جنسی استحصال بھی کرتے ہیں۔ ان الزامات کے بعد سوناگیری میں واقع آشرم میں تہلکہ مچ گیا اور سنمتی ساگر اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اٹاوہ میں آگئے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ وہاں چترماس کر رہے ہیں۔ وہ ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں عوام میں ان سادھویوں سے صرف پانچ منٹ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میرا قصور نکل آیا تو میں سمادھی لے لوں گا یعنی زندہ درگور ہوجاؤں گا۔ ادھر مذکورہ سادھویوں کا کہنا ہے کہ ہم پانچ منٹ نہیں پانچ گھنٹے اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ابھی ایسے آثار نظر نہیں آتے۔

سنمتی ساگر نے کچھ دوسرے لوگوں پر الزام لگاتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا ان لوگوں سے تنازعہ چل رہا ہے جس پر ان لوگوں نے انہیں کپڑا پہنانے کی قسم کھائی ہے۔

ابھی یہ معاملہ گرم ہی تھا کہ ایک اور سادھوی سنیتا شاستری بھی میدان میں آگئی ہے۔ بتاتے ہیں کہ سنیتا سنمتی آشرم میں سب سے طاقتور شخصیت کی مالک تھی۔ وہ ملک گیر دورہ کرکے لاکھوں روپے کا چندہ بھی کرتی تھی۔ گذشتہ دنوں دہلی میں آکر اس نے کرن جین اور منورما جین کے خطوط اخبار والوں کو دکھائے۔ منورما جین نے اپنے خط میں الزام لگایا ہے کہ "آچاریہ سنمتی ساگر سادھو کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ وہ جین دھرم کے خلاف کام کرتا ہے۔ اس کی بداخلاقی کی بنا پر میں نے آشرم چھوڑ دیا"۔ اس نے جین سماج کے ذمہ داروں سے اپیل کی ہے کہ وہ میدان میں آئیں اور اس سادھو کو قرار واقعی سزادیں

کرن جین اپنے چھ بھائیوں میں تنہا بہن ہے۔ گھر والوں کی شدید مخالفت کے باوجود دیکشا لے کر وہ سادھو بنی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ "میں نے بارہا سادھویوں پر اسے حملہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ سب کچھ دھرم کے نام پر کرتا ہے"۔ سنیتا پر بھی ایک دن حملہ کرنے کی کوشش کی گئی جس پر اس نے چند سادھویوں کے ساتھ آشرم چھوڑ دیا۔ سنیتا نے چندرامتی سادھوی کا واقعہ سناتے ہوئے بتایا کہ "1980ء میں وہ حاملہ ہوگئی تھی میں نے جب آچاریہ سے اس سلسلے میں استفسار کیا تو اس نے کہا کہ اس کے شکم میں پانی ہے۔ بعد میں اس کے شکم سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد سات برہمچارنیوں نے آشرم چھوڑ دیا"۔ اس نے کئی اور ایسی سادھویوں کا ذکر کیا جن کے ناجائز حمل کو پرائیویٹ کلینک میں ساقط کروایا گیا۔ سنیتا کے مطابق 1988ء میں سنمتی ساگر کو آچاریہ کی پدوی ملی۔ اس وقت سنیتا، سادھنا اور انجو نے آشرم چھوڑنے کا فیصلہ کیا جس پر آچاریہ نے کہا کہ آچاریہ بننے کے بعد وہ گناہوں سے پاک ہوگیا ہے اس لئے اب کچھ نہیں ہوگا۔

> منورما جین نے اپنے خط میں الزام لگایا ہے کہ آچاریہ سنمتی ساگر سادھو کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ وہ جین دھرم کے خلاف کام کرتا ہے۔ اس کی بداخلاقی کی بنا پر میں نے آشرم چھوڑدیا۔ اس نے جین سماج کے ذمہ داروں سے اپیل کی ہے کہ وہ میدان میں آئیں اور اس سادھو کو قرار واقعی سزادیں۔

لیکن اس کے بعد بھی ایسے واقعات مسلسل ہوتے رہے اور خواتین کی عصمتوں پر حملہ جاری رہا۔ سنیتا کا کہنا ہے کہ ایک بار اس کو بھی آچاریہ نے اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن کسی طرح وہ بچ گئی۔ سادھویوں کے ساتھ مادرزاد برہنہ سنمتی ساگر کی جنسی چھیڑ چھاڑ اور جنسی استحصال کے

برہمچاری سنیتا: سراپا درد

واقعات نے جین سماج میں زبردست زلزلہ پیدا کر رکھا ہے۔ جینیوں نے ایک کمیٹی بنادی ہے تاکہ حقائق سامنے آسکیں جبکہ گوالیار منی سنگھ سوا سمیتی اور مورینا اور مرار کے جینیوں نے انکوائری کمیٹی کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے اور ان لوگوں نے قومی کمیشن برائے خواتین میں شکایت کی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس جنگ میں کون جیتتا ہے۔ کچھ جینیوں نے یہ کہہ کر خاموشی اختیار کرلی ہے کہ اگر وہ سنمتی ساگر کے خلاف کچھ بولیں گے تو انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑسکتا ہے۔ کیونکہ آچاریہ نے ایسے لوگوں کو خاندان سمیت ختم کروادینے کی دھمکی دی ہے۔

بھوپال گیس المیہ کے زہریلے اثرات شکم مادر تک پہنچ گئے

گیس کانڈ کے بعد پیدا ہونے والے تقریباً ڈھائی ہزار بچے خطرناک بیماریوں میں مبتلا

تقریباً گیارہ سال قبل ہوئے بدترین بھوپال گیس کانڈ کا عذاب آج بھی وہاں کے باشندوں کا پیچھا کر رہا ہے۔ تین دسمبر 1984ء کی سرد رات کے پچھلے پہر لوگوں کی خواب گاہ میں دبے پاؤں گھس آنے والی تباہی آج بھی وہاں چلتی پھرتی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس بھیانک تباہی کا عفریت آج بھی لوگوں کو نگل رہا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زہریلی گیس کے شکار لاتعداد افراد اس وقت اپنی جان گنوا بیٹھے تھے اور آج اس کے شکار بے شمار معصوم بچے تڑپ تڑپ کر جینے پر مجبور ہیں۔

یہ چھ سالہ افراح ہے۔ گیس المیہ کے پانچ سال بعد پیدا ہوئی ہے۔ اسے تو اس بدترین حادثے کا علم بھی نہیں ہونا چاہئے لیکن یہ معصوم بچی سانحہ گیس کے زہریلے اثرات کی گٹھری زندگی بھر ڈھونے پر مجبور ہے۔ زہریلی گیس اب ہواؤں اور فضاؤں سے آگے بڑھ کر رحم مادر تک پہنچ گئی ہے۔ اس گیس نے رحم ہی میں افراح کو دھر دبوچا جس کے نتیجے میں یہ بچی پیدائشی طور پر نہ صرف دل کے بھیانک امراض میں مبتلا ہوگئی ہے بلکہ جنسی اور دماغی اعتبار سے بھی عدم توازن کی شکار ہوگئی ہے۔ اس بچی کی آنکھوں کی ویرانی اس کی تباہ حال زندگی کی داستان الم سناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

افراح واحد بچی نہیں ہے جو جرم بے گناہی کی سزا بھگت رہی ہے ایسے بدنصیب بچوں کی تعداد تقریباً ڈھائی ہزار ہے۔ تین سالہ سونم کے دل میں سوراخ ہے۔ دہلی کے ایک اسپتال میں یہ زیر علاج ہے یہاں اس کا اوپن ہارٹ آپریشن ہوا ہے۔ نو سالہ شاداب اور چار سالہ مینا حسن کے دل میں بھی سوراخ ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ان کا علاج ممکن ہے لیکن مینا حسن کے بھائی حرا حسن کا دل معمول سے کہیں زیادہ بڑا ہے اور اس کا علاج ناممکن ہے۔

یونین کاربائیڈ فیکٹری کے آس پاس تقریباً دس کلو میٹر تک اس بھیانک تباہی کا سایہ پھیلا ہوا ہے۔ یہاں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں۔ سب سے ابتر حالت شاہجہان آباد اور جے پی نگر کی ہے۔ بڈوالی مسجد کے امیر حسن علوی کہتے ہیں کہ ان کے دو بچے دل کے امراض میں مبتلا ہیں لیکن مدھیہ پردیش حکومت کے ذریعے چلائے جانے والے "اسپیشل پروگرام فار ایٹ رسک چلڈرن" کے ذمہ داروں نے انہیں اپنے یہاں داخل نہیں کیا ہے۔

> یہ چھ سالہ افراح ہے۔ گیس المیہ کے پانچ سال بعد پیدا ہوئی ہے۔ یہ بچی پیدائشی طور پر نہ صرف دل کے بھیانک امراض میں مبتلا ہوگئی ہے بلکہ جنسی اور دماغی اعتبار سے بھی عدم توازن کی شکار ہوگئی ہے۔ اس بچی کی آنکھوں کی ویرانی اس کی تباہ حال زندگی کی داستان الم سناتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

افراح کی ویران آنکھیں اپنی کہانی سنارہی ہیں

مذکورہ ادارے کے ڈاکٹروں کے مطابق زہریلی گیس سے بالواسطہ طور پر متاثر ہونے والے ڈھائی ہزار بچوں میں 53 فیصد ناقص غذاؤں سے ہونے والی بیماری میں مبتلا ہیں تو 24 فیصد سانس کے انفکشن کے شکار ہیں۔ تین فیصد دل کے امراض میں مبتلا ہیں اور دو فیصد ذہنی طور پر کمزور ہیں جبکہ 3402 فیصد دوسری بیماریوں کے شکار ہیں۔ علاقہ کے لوگوں کے مطابق متاثرہ بچوں کی تعداد سرکاری اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہے۔

فیکٹری کے آس پاس کے علاقوں میں کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں کم از کم ایک بچہ اس کی زد میں نہ آگیا ہو۔ یہیں کے عرفان کا کہنا ہے کہ ان کا دو سالہ بچہ پیدائش کے وقت سے ہی نمونیہ میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹر قومی کے مطابق ایسے زیادہ تر بچے مسلم علاقوں ہی میں ہیں۔ اس کی شاید سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ متاثرہ علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ بہرحال یہ سلسلہ انتہائی خطرناک اور تکلیف دہ ہے۔ لیکن اس مسئلے پر نہ تو حکومت سنجیدگی سے کوئی قدم اٹھارہی ہے اور نہ ہی یونین کاربائیڈ کمپنی ان معصوموں کو ان کے جرم بے گناہی کی سزا سے بچانے کے لئے کوئی عملی اقدام کررہی ہے۔ متاثرین کو معاوضہ ملنے کا مقدمہ ابھی بھی زیر سماعت ہے اور ابھی تک کمپنی کے اس وقت کے چیئرمین کی گرفتاری پر کوئی عمل نہیں ہوا ہے۔ ان معصوم بچوں کے نہ جانے کتنے بھائی بہن ابھی اور اس جرم بے گناہی کی سزا بھگتیں گے۔

بابری مسجد کی شہادت اور مسلمانوں کی تباہی کے ذمہ دار

یہ سوداگران ملت پھر اپنی دوکان سجانے آئے ہیں

خصوصی تحریر

چھ دسمبر کی تاریخ ہندوستانی مسلمانوں کے شعور اور یادداشت کا حصہ بن چکی ہے۔ ایک ایسی یاد جو بہت ہی کرب انگیز ہے۔ جس کے تصور سے ہمارا وجود لرزنے لگتا ہے۔ اس دن نے ہمیں ایسی ذلت اور ہزیمت کی سوغات بخشی ہے جس کی کوئی دوسری مثال ماضی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جس طرح حیوانیت اور بربریت کا ننگا ناچ ناچا گیا۔ وہ ہندوستانی جمہوریت اور عدلیہ کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گیا، اور ہمارے یقین و اعتماد کو بھی متزلزل کرگیا۔ کہ جس دن سارے جمہوری، اخلاقی اور انسانی قدروں کے بند ٹوٹ گئے اور بابری مسجد شہید کردی گئی۔ آزادی کے بعد سے آج تک ہمارا استحصال مختلف سطحوں اور طریقوں سے تو ہو ہی رہا تھا، ہماری عزت و آبرو تو کٹ ہی رہی تھی لیکن اب ہماری عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب دوسرا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس دن نے ہمیں کیسے کیسے زخم لگائے ہیں، سورت میں ماں بہنوں کی عزت ہی نہیں لٹی، انہیں برہنہ کرکے ان کی ویڈیو گرافی کی گئی، بمبئی میں ہم لٹتے اور قتل ہوتے رہے، کوئی ہمارا پرسان حال نہ ہوا۔ غرضیکہ ایک پوری داستان ہے ہماری مظلومیت کی۔

کبھی کبھی جب اس صورت حال پر ہم غور کرتے ہیں کہ ہماری یہ حالت آخر کیوں ہے؟ ہم اتنے بے وقعت کیوں ہوگئے۔ تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آزادی کے بعد سے پوری ملت بے سمتی کا شکار رہی ہے۔ ہمیں ایسے رہنما یا ایسی جماعت نہیں ملی جو سیاسی رہنمائی کے ساتھ ساتھ تعلیمی اور معاشی محاذ پر بھی ہماری رہنمائی کرتی اور ہمیں پستی سے نکالنے کی کوشش کرتی۔ کوئی اجتماعی کوشش ملی نشاۃ ثانیہ کے سلسلے میں نہیں کی گئی۔ چند افراد یا ادارے سامنے آئے اس میں بھی ان کا خلوص کم ذاتی مفاد زیادہ تھا۔ اس طرح پوری ملت انتشار کا شکار رہی۔ ہمارے یہاں لیڈروں کے جو طبقے سامنے آئے ان میں ایک تو مذہبی حلقہ یعنی علماء کا طبقہ تھا۔ جس نے اپنے آپ کو مذہبی امور ہی تک محدود کر رکھا، اور دوسرا طبقہ ایسے سیاستدانوں کا تھا جسے سیاسی جماعتیں اپنے مفادات کے حصول کے لئے سامنے لاتی رہی ہیں جن کا عوام میں کوئی اثر نہیں تھا۔ تیسرا طبقہ جو ادھر پیدا ہوا اور بڑے طمطراق سے مسلمانوں کی قیادت کا دعویدار بنا، یہ بے کار اور بے روزگار قسم کے لوگوں پر مشتمل تھا اور جس نے سیاست کو پیشے یعنی روزی روٹی کے حصول کے ذریعے کے طور پر استعمال کیا اور جس نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پوری ملت کی سیاست شروع کی۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان اسی طرح کے خود ساختہ لیڈروں سے پہنچا۔ بابری مسجد کے سانحہ کے سب سے بڑے ذمہ دار یہی لوگ ہیں جنہوں نے ملت فروشی کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔

پہلے تو بابری مسجد کو بچانے کے لئے تحریک چلائی گئی۔ ایکشن کمیٹی اور رابطہ کمیٹی بنی، یہاں بھی اتحاد کا فقدان تھا۔ مفاد کے ٹکراؤ نے ان کے دو حصے کردیئے۔ ملت کو تحریک کے لئے تیار نہیں کیا اور بیان داغتے رہے۔ پوری تحریک اخبارات کے صفحوں اور بیانات تک محدود رہی اور یہ ملت کی نظروں میں سرخرو بنتے رہے، سرکار بہادر سے "وار تالاپ" چلتا رہا۔ بابری مسجد کے نام پر ملت سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے رہے، جیبوں کو گرماتے رہے اور سرکار سے بھی "لابھ" اٹھاتے رہے۔ حکومت کو اندازہ ہوگیا کہ یہ لیڈران بکنے والے ہیں انہیں خریدا جاسکتا ہے۔ لہذا سودا ہوگیا اور بابری مسجد شہید کردی گئی۔

آپ ہی غور کیجئے ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی اکثریت 20 کروڑ کی آبادی اور اس کی عبادت گاہ یعنی سب سے مقدس چیز مسمار کردی جائے۔ کیا یہ سب کچھ اتنی آسانی سے ممکن تھا؟ مسجد کی تحریک چلانے والوں کی نیت میں سچائی اور خلوص میں صداقت نہیں تھی۔ وہ یہ سب کچھ شہرت اور ذاتی مفاد کے حصول کے لئے کر رہے تھے۔ یہ ایک ایسا حساس اور نازک ایشو تھا جو دانشمندی، تدبر اور فراست کا متقاضی تھا۔ اسے اس طرح سے ابھارا گیا کہ مثبت نتیجہ برآمد ہونے کے بجائے منفی پہلو سامنے آگیا۔ ہم اس مسئلے کی اصل حیثیت اور اس کی سچائی کو ملک کے انصاف پسند اور سیکولر شہریوں تک نہیں پہنچا سکے۔ بلکہ فرقہ پرست اپنے جھوٹے پروپیگنڈے میں زیادہ کامیاب رہے اور ہم ان کے جواب میں بیانات داغتے رہے۔ اور انجام کار یہ معاملہ بابری مسجد کی شہادت پر ختم ہوا۔ اس طرح ہماری قیادت ناکام رہی بابری مسجد کو بچانے میں یہ سانحہ اتنا زبردست تھا کہ پوری ملت پر مایوسی اور اضمحلال کی کیفیت طاری رہی۔ بابری مسجد ایکشن کمیٹی توڑ دی گئی اور ارکان نے استعفی دے دیئے اپنی ناکامی کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے۔

اب آپ ہی غور کریں جو قیادت مسجد کو بچا نہ سکی کیا وہ اسے دوبارہ تعمیر کراسکے گی۔ ایک بار پھر الیکشن قریب ہے اور دوکانیں سجائی جانے لگی ہیں۔ پرانے مداری پھر اپنا تماشہ دکھانے کے لئے میدان میں آگئے ہیں۔ ایک بار پھر ملت کا سودا کیا جانے والا ہے۔ ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ "بابری مسجد کی جلد تعمیر نو کا منصوبہ" یہ خبر جاوید حبیب صاحب کی پریس کانفرنس کے حوالے سے ہے۔ موصوف آل انڈیا بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے کرتا دھرتا رہے ہیں انہوں نے بابری مسجد کے سوال پر اپنی سیاست کی دوکان خوب چمکائی۔ مسجد کی شہادت کے بعد انہوں نے ایکشن کمیٹی سے استعفی دے دیا اور کمیٹی بھی توڑ دی گئی۔ مسجد کے غم میں پورے ڈھائی سال تک گھلنے والے بھائی جاوید حبیب صاحب سے کوئی پوچھے کہ اس دوران آپ کہاں رہے کیا کرتے رہے۔ ملت کے لئے کون سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ملت کو مایوسی اور اضمحلال سے نکالنے کے لئے آپ نے کیا کیا؟ بابری مسجد کے غم میں گھلتے رہے یا جشن منایا آپ نے۔ اب وہ ڈھائی سال کے غور و فکر کے بعد تازہ دم ہوکر مسجد کی جلد تعمیر نو کا منصوبہ لے کر ہمارے سامنے آگئے ہیں اور انہوں نے 23 جولائی تک تمام سیاسی
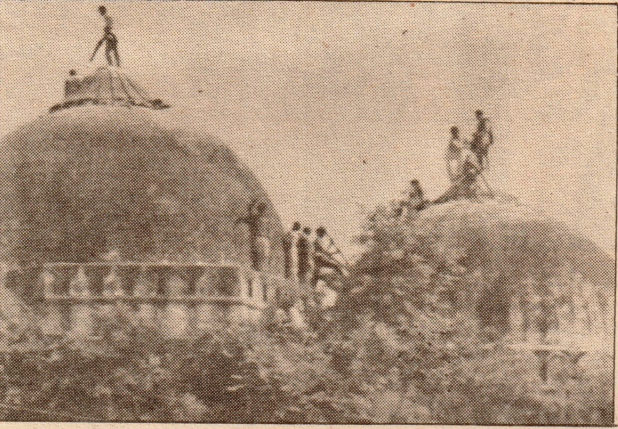
بقیہ صفحہ ۹ پر

انتخابی بازار میں مسلمانوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ شروع

مسلمانوں کو ریزرویشن کی بھیک نہیں اپنا حق چاہیئے

رپورٹ
سہیل انجم

سیاسی بازار گرم ہورہا ہے۔ انتخابی دوکانیں سجنے لگی ہیں۔ لوگ اپنا اپنا مال لے کر پہنچ رہے ہیں۔ خریداروں کی بھی آمد شروع ہوگئی ہے۔ بولیاں لگنے لگی ہیں۔ جنرل الیکشن کا موسم جوں جوں قریب آرہا ہے، بازار کی گہما گہمی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی "مسلمان" اس بازار کی سب سے قیمتی اور پسندیدہ چیز ہیں۔ تمام سیاسی جماعتیں انہیں خریدلینے کو بے چین ہیں۔ کانگریس اور بی ایس پی نے بولی بھی لگادی ہے۔ قیمت چکانے میں دونوں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد جیسی فاشسٹ جماعتیں بھی بازار میں نظر آرہی ہیں۔ البتہ ان کی توجہ کچھ دوسری اشیاء کی جانب ہے۔ وہ ہندوؤں کو خریدنے کے لئے پھر رام مندر کا جھنجھنا بجارہی ہیں۔ ساتھ ہی آر ایس ایس اور بی جے پی یکساں سول کوڈ اور کشمیر کا بھی نعرہ بلند کر رہی ہیں۔ بی جے پی یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے اتنی اتاولی ہورہی ہے کہ اس نے اس موضوع پر ٹی وی پر مباحثہ کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ لیکن بی جے پی کے اقلیتی سیل کے انچارج عارف بیگ بی جے پی کے اس رویے سے خوش نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایسا کرکے بی جے پی مسلمانوں کو خریدنے کی قوت سے دستبردار ہورہی ہے اور اگر یکساں سول کوڈ پر اس نے اپنا رویہ نرم نہیں کیا تو وہ اس سب سے قیمتی شے سے محروم ہوجائے گی۔

مسلمانوں کو بیوقوف بنانے میں سیاسی جماعتوں کو مہارت حاصل ہے اور مسلمان ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جانے کا قائل ہوگیا ہے۔ آزادی کے بعد سے ہی وہ ان کا سیاسی اور انتخابی کھلونا بنا ہوا ہے۔ سیاسی پارٹیاں اس کھلونے سے ہمیشہ کھیلتی اور الیکشن کے بعد اسے ایک طرف رکھ دیتی ہیں۔ حکومت بنانے سے قبل مایاوتی نے ملائم سنگھ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں پندرہ فیصد ریزرویشن دیں۔ حکومت بنانے کے بعد ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کو ریزرویشن دینے سے انکار کیا مگر چند دنوں کے بعد دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے قلابازی کھائی اور مسلمانوں کو پندرہ فیصد ریزرویشن دینے کی بات کہی۔ لیکن اپنا دامن بچائے رکھنے کے لئے انہوں نے اسے مرکز پر ڈال دیا اور کہا کہ ایسا کرنے کے لئے آئین میں ترمیم کرنی پڑے گی

کانگریس بھی اس موقع سے کیوں چوکتی۔ کانگریس میں اقلیتوں مسلمانوں اور پسماندہ طبقات کے حقوق کے چیمپئن مرکزی وزیر سیتارام کیسری نے فوری طور پر ردعمل ظاہر کیا اور یہ کہہ کر کہ ہم بھی مسلمانوں کو ریزرویشن دیے جانے کے حامی ہیں اور اگر مایاوتی ایسا کرنا چاہتی ہیں تو دوسری ریاستوں کی طرح ایسا کرسکتی ہیں آئین میں ترمیم کی ضرورت نہیں پڑے گی، ریزرویشن کی گیند پھر مایاوتی کے پالے میں ڈال دی۔

دریں اثناء مایاوتی کے اعلان اور سیتا رام کیسری کے بیان پر زبردست ردعمل ہوا۔ بی جے پی نے دونوں کی مخالفت کی اور اسے مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے سے تعبیر کیا۔ ادھر کانگریس

مایاوتی، دھون، سیتارام کیسری

میں بھی چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ سینئر لیڈر آر۔ کے۔ دھون نے سیتا رام کیسری کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ایسے متنازعہ معاملات کانگریس کی اعلی اختیاراتی باڈی کانگریس ورکنگ کمیٹی میں طے ہونے چاہئیں۔ کیسری جی نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ ان کی ذاتی رائے ہوسکتی ہے پارٹی کا فیصلہ نہیں۔

ادھر بی ایس پی کے صدر کانشی رام نے بیان دیا کہ مسلمانوں کو پندرہ فیصد ریزرویشن دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ پسماندہ طبقات کو حاصل 27 فیصد ریزرویشن میں سے مسلمانوں کو آٹھ فیصد ریزرویشن دیا جاسکتا ہے۔ یہ ریزرویشن مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ پسماندگی کی بنیاد پر دیا جائے گا اور مسلمانوں کی جو پسماندہ برادریاں دیگر پسماندہ طبقات میں آتی ہیں وہ اس کا فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

گیارہ جولائی کو لکھنؤ میں منعقد ہونے والی بی ایس پی کی یادو سماج ریلی میں وزیر اعلی مایاوتی نے مسلمانوں کو 44، 8 فیصد ریزرویشن دینے کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے اترپردیش کے مسلمانوں میں دو قسم کا ردعمل سامنے آیا ہے۔ ایک طبقہ اسے درست قرار دیتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ اس سے خوفزدہ ہے۔ اس کا خیال ہے کہ

بقیہ صفحہ ۶ پر

کیا خلیجی جنگ کے دوران اپنے یہاں سے نکالے گئے

آٹھ لاکھ یمنیوں کو سعودی حکمراں واپس بلالیں گے

1991-1990ء کے خلیجی بحران کے چار سال بعد سعودی عرب اور یمن کے تعلقات بہت زیادہ دوستانہ تو نہیں البتہ نارمل ضرور ہوئے ہیں۔ ایسا دونوں ملکوں کے درمیان جون کے آغاز میں اعلی سطحی مذاکرات کے بعد ممکن ہوسکا ہے۔ واضح رہے کہ جنگ خلیج میں یمن نے عراق کے خلاف طاقت کے استعمال کی مخالفت کی تھی۔ یمن نے کویت پر عراق کے قبضہ کی حمایت بھی نہیں کی تھی۔ لیکن عربوں کی قبائلی نوعیت کی سیاست میں اس طرح کی اصولی سیاست کی گنجائش نہیں ہے۔ یمن کے موقف کو سعودی عرب نے اپنی مخالفت سمجھا اور جوابی کارروائی کے طور پر مملکت میں کام کررہے 8 لاکھ سے زائد یمنیوں کو ملک سے باہر نکال دیا تھا۔ جس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ کیونکہ ان غریب اور مزدور یمنیوں سے پوچھ کر نہ ان کی حکومت نے سعودی عرب کی مخالفت کی تھی اور نہ عراق کی حمایت۔

بہرکیف خلیجی جنگ کے نتیجہ میں سعودی عرب اور یمن کے تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے۔ سچ یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات اس صدی کے آغاز میں سعودی عرب کے قیام کے بعد سے کئی بار کشیدہ ہوئے ہیں۔ خاص طور سے دونوں ملکوں کے درمیان سرحدوں کے تعین کا تنازعہ بہت پرانا ہے۔ سعودی عرب سے یمنیوں کے اخراج کی وجہ سے اس غریب ملک کی معیشت پر بہت برا اثر پڑا تھا۔ عراق سے اسے جو مدد ملتی تھی وہ تو بند ہوئی ہی اس کے علاوہ عرب ترقیاتی بینک اور اس جیسے دوسرے مالی اداروں نے بھی یمن کی مدد بند کردی تھی کیونکہ ان پر امیر خلیجی ممالک کا غلبہ ہے۔ چند ماہ قبل یمن کی خانہ جنگی میں سعودی عرب نے کھلم کھلا سابق جنوبی یمن کے کمیونسٹ حکمرانوں کا ساتھ دیا تھا مگر اس حمایت کے باوجود صنعاء کے ان حکمرانوں کو کامیابی ملی جو دونوں شمالی و جنوبی یمن کے موجودہ اتحاد کو قائم رکھنے کے قائل ہیں۔ جون کے آغاز میں منعقد ہوئے دو طرفہ مذاکرات کے بعد ایسا لگتا ہے کہ سعودی عرب نے جنگ خلیج میں یمن کے رول اور موخرالذکر نے یمن کی خانہ جنگی میں علیحدگی پسندوں کی سعودی حمایت کو نظرانداز کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ازسرنو اچھے دوستانہ تعلقات قائم ہوسکیں۔

ایسا لگتا ہے کہ سعودی عرب نے جنگ خلیج میں یمن کے رول اور موخرالذکر نے یمن کی خانہ جنگی میں علیحدگی پسندوں کی سعودی حمایت کو نظرانداز کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ازسرنو اچھے دوستانہ تعلقات قائم ہوسکیں۔

لیکن دو طرفہ تعلقات میں بہتری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یمن کی خستہ حال معیشت فوراً سدھر جائے گی۔ مبصرین اور تجزیہ نگاروں نے یمنیوں کو آگاہ کیا ہے کہ وہ بے بنیاد خواہشات کو دلوں میں جنم نہ دیں۔ کیونکہ ان کے بقول اگر سعودی عرب، کویت اور دوسرے امیر خلیجی ممالک فی الفور یمن کی معاشی مدد شروع بھی کردیں جس کی کوئی بہت زیادہ امید نہیں ہے، تو بھی یمن کی معیشت کو بہتر بنانے میں وقت لگے گا۔

دونوں ملکوں کے درمیان مذاکرات اور ان کے بعد لیڈروں کے حوصلہ افزا بیانات سے یمن کے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ لوگ دوبارہ اپنے پاسپورٹ بنوارہے ہیں، کیونکہ انہیں امید ہے کہ جلد ہی انہیں دوبارہ سعودی عرب میں کام مل جائے گا۔

لیکن دونوں ملکوں کے درمیان مذاکرات اور ان کے بعد لیڈروں کے حوصلہ افزا بیانات سے یمن کے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ لوگ دوبارہ اپنے پاسپورٹ بنوارہے ہیں، کیونکہ انہیں امید ہے کہ جلد ہی انہیں دوبارہ سعودی عرب میں کام مل جائے گا۔ لیکن یمنی قیادت نے آگاہ کیا ہے کہ بہت زیادہ جوش و خروش دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ بظاہر ناممکن ہے کہ سعودی عرب ان تمام آٹھ لاکھ لوگوں کو واپس بلالے گا جنہیں اس نے خلیجی بحران کے دوران ملک سے نکال دیا تھا۔ اور اگر ان میں سے اکثر کو واپس بلا بھی لیا جاتا ہے تو انہیں مرحلہ وار داخلے کی اجازت ملے گی یعنی ڈیڑھ یا دو ہزار کے گروپوں کی شکل میں۔

یمن سعودی عرب کے علاوہ دوسرے خلیجی ممالک، برطانیہ اور امریکہ وغیرہ سے بھی تعلقات درست کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اب یمنی حکمراں عالمی برادری میں یکہ و تنہا نہ رہنے کی پالیسی پر گامزن ہیں۔

باصل کی موت کے بعد حافظ الاسد کی پریشانیوں میں اضافہ

شہزادہ بشر کو جانشینی کی ٹریننگ

مغربی ایشیا کے حکمرانوں کی سوچ صدیوں سے ایک جیسی رہی ہے یعنی "میں تو اپنے ملک کے لئے ضروری ہوں ہی، میرے بعد ملک کو چلانے کا کام میرا بیٹا ہی انجام دے سکتا ہے۔" یہ پرانی کہانی آج شام میں ایک بار پھر دہرائی جارہی ہے۔ حافظ الاسد کے دوسرے بیٹے بشار الاسد کو ملک کے مستقبل کے حکمراں کے طور پر ابھارا جارہا ہے۔ پہلے اس مقصد کے لئے اسد کے بڑے بیٹے باصل کو تیار کیا گیا تھا جن کی 18 ماہ قبل ایک روڈ حادثے میں موت واقع ہوگئی تھی۔ اب ان کی جگہ پر کرنے کے لئے بشار الاسد کو آگے لایا جارہا ہے۔

لیکن باصل کی خالی جگہ پر کرنا آسان نہیں ہے۔ باصل، جن کی 32 سال کی عمر میں موت ہوگئی تھی، آج بھی شام کے، خصوصاً دمشق کے ہر حصے میں نظر آتے ہیں۔ ان کی تصویر کیلنڈر سے لے کر پوسٹروں اور دیواروں تک آج بھی ہر جگہ نظر آتی ہے۔

لیکن باصل کی خالی جگہ پر کرنا آسان نہیں ہے۔ باصل، جن کی 32 سال کی عمر میں موت ہوگئی تھی، آج بھی شام کے، خصوصاً دمشق کے ہر حصے میں نظر آتے ہیں۔ ان کی تصویر کیلنڈر سے لے کر پوسٹروں اور دیواروں تک آج بھی ہر جگہ نظر آتی ہے۔ فوج کی بیرکوں میں جگہ جگہ باصل کی تصویریں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان تصویروں میں باصل کو مختلف روپ میں دکھایا گیا ہے، خاص طور سے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے جن سے ان کی فوجی خدمت واہمیت واضح ہوتی ہے۔

بہرحال باصل کی موت کے 18 ماہ بعد عام آدمی کے دل میں ان کے لئے اب وہ جگہ نہیں رہی جو کبھی تھی۔ لوگ اب ان کے تئیں اپنی محبت و وفاداری کا اظہار کرنا ضروری نہیں تصور کرتے۔ ہاں البتہ حکومت کے مختلف شعبوں سے وابستہ افراد خاص طور سے فوجی انہیں اب بھی احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہر سرکاری پروگرام میں لوگ منٹ دو منٹ خاموش کھڑے ہوکر ان کے لئے اپنے جذبہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس طرح گویا باصل کی یاد کو زندہ رکھنا ایک سرکاری مشن ہوگیا ہے۔

حافظ الاسد کے دوسرے بیٹے بشار الاسد میں وہ خصوصیات نہیں ہیں جو باصل میں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود انہیں ان کے مرحوم بھائی کی جگہ لینے کے لئے تیار کیا جارہا ہے۔ باصل کی موت کے وقت بشار برطانیہ میں طب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہ دراصل امراض چشم میں مہارت حاصل کر رہے تھے۔ لیکن باصل کی موت کے بعد انہیں شام آکر فوجی تربیت حاصل کرنا پڑی کیونکہ اس کے بغیر شامی سیاست میں ان کو اپنے لئے مقام بنانا مشکل تھا۔ چنانچہ گذشتہ نومبر میں حمی کی ملٹری اکیڈمی سے انہوں نے فوجی تربیت کا ایک کورس پاس کیا ہے اور اس وقت فوج میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہیں۔ باصل کو فضائیہ سے دلچسپی تھی۔ لیکن بشر کو ٹینک سے لگاؤ ہے۔ ٹینک کمانڈر ہی کی انہیں تربیت بھی دی گئی ہے۔

فوجی تربیت کے علاوہ بشر کو سیاسی تربیت بھی دی جارہی ہے۔ چنانچہ رواں سال کے آغاز میں وہ ایک ڈیلی گیشن کے ساتھ لبنان گئے تھے۔ مگر لبنان کے شام مخالف سیاسی حلقوں نے بشر کے دورے کی یہ کہہ کر مخالفت کی تھی کہ ان کا دورہ لبنان کے اندرونی معاملے میں شام کی مداخلت کا آئینہ دار ہے۔

فوجی تربیت کے علاوہ بشر کو سیاسی تربیت بھی دی جارہی ہے۔ چنانچہ رواں سال کے آغاز میں وہ ایک ڈیلی گیشن کے ساتھ لبنان گئے تھے۔ مگر لبنان کے شام مخالف سیاسی حلقوں نے بشر کے دورے کی یہ کہہ کر مخالفت کی تھی کہ ان کا دورہ لبنان کے اندرونی معاملے میں شام کی مداخلت کا آئینہ دار ہے۔ لیکن خود شام کے اندر 30 سالہ بشر کو بتدریج وہ سارے کام دیے جارہے ہیں جو ان کے بڑے بھائی کرتے تھے۔ مقصد ظاہر ہے کہ حافظ الاسد انہیں اپنی جانشینی کے لئے تیار کررہے ہیں۔

حسنی مبارک کے اشتعال انگیز بیانات خطرناک ہوسکتے ہیں

مصر اور سوڈان کے مابین سرحدی جھڑپیں جنگ کا پیش خیمہ تو نہیں

یہ ثابت ہوجانے کے بعد بھی کہ 26 جون کو عدیس ابابا میں حسنی مبارک پر حملہ کرنے والے تمام کے تمام افراد مصری تھے، حسنی مبارک اور ان کی حکومت ابھی تک سوڈان پر الزام لگا رہے ہیں کہ قاتلانہ حملہ میں اس کا ہاتھ ہے۔ عدیس ابابا میں حملے کے فورا بعد قاہرہ لوٹنے پر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حسنی مبارک نے کہا تھا کہ سوڈانی حکومت مصر سے اچھے تعلقات کی خواہاں ہے مگر حسن ترابی اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ بالواسطہ طور پر مبارک نے اخوانی رہنما ترابی کو اپنے اوپر ہوئے قاتلانہ حملہ کے لئے ذمہ دار بھی ٹھہرایا جسے ترابی کے ایک ترجمان نے یاوہ گوئی کہہ کر رد کردیا تھا۔ مگر اس الزام در الزام نے مصر و سوڈان کے تعلقات کو کافی حد تک خراب کردیا ہے۔

مصری حکام کا کہنا ہے کہ حسنی مبارک پر حملہ اس کارروائی کے 24 گھنٹے کے اندر ہی ہوا جس کے ذریعہ مصری پولیس نے حکومت مخالف عناصر کے ٹھکانوں سے بڑی تعداد میں گولہ بارود اور ہتھیار برآمد کیا تھا۔ یہ ٹھکانے اس مصری صوبے میں واقع تھے جو سوڈانی سرحد سے ملتا ہے اس لئے مصری حکام کا الزام ہے کہ یہ سارے ہتھیار سوڈان سے مصری "انتہا پسندوں" کو ملے تھے۔ واضح رہے کہ مصری حکومت بہت دنوں سے سوڈان پر الزام عائد کرتی رہی ہے کہ وہ مصری "عسکریت پسندوں" کی مدد کرتا ہے۔ لیکن مصری حکام کا یہ الزام بے بنیاد ہے۔ کیونکہ محض ایک سرحدی علاقے میں کچھ ایسے ہتھیاروں کے پکڑے جانے سے جن کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ سوڈان سے آئے ہوں گے، خرطوم کے حکمراں مصری صدر کو قتل کرنے کا پروگرام نہیں بنا لیں گے اور نہ ہی ان کے لئے یہ کام 24 گھنٹے کے اندر کرنا ممکن ہے۔ جس انداز سے حسنی مبارک پر حملہ ہوا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک منظم حملہ تھا اور اس کی منصوبہ بندی بہت دنوں سے جاری تھی۔

سوڈان اور مصر کے تعلقات مدت دراز سے کشیدہ ہیں۔ برطانوی استعمار کے وقت سے دونوں ملکوں کے مابین سرحدی تنازعہ چلا آرہا ہے۔ 26 جون کے حملے کے بعد یہ تنازعہ سرحدی جھڑپوں میں تبدیل ہوگیا۔

مصری حکام کا یہ بھی کہنا ہے کہ جس گھر سے حسنی مبارک پر گولیاں چلائی گئیں اسے پہلے ایک سوڈانی شہری نے کرائے پر لیا تھا جسے اس نے بعد میں حملہ آوروں کو دے دیا تھا۔ مصری حکام کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ شخص بھی جس کے بارے میں ایتھوپیا کی پولیس کو شبہ ہے کہ اس نے یہ ساری اسکیم ترتیب دی تھی، ایک سوڈانی شہری ہے۔ مگر خود ایتھوپیا کی پولیس نے ایسی قیاس آرائیوں سے پرہیز کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ تمام ہی حملہ آور مصری تھے۔ مصر کی ایک خفیہ تنظیم کے اس اعلان کے بعد کہ مبارک پر حملے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے، ایتھوپیائی پولیس کا دعوی مزید مضبوط ہوجاتا ہے۔

سوڈان اور مصر کے تعلقات مدت دراز سے کشیدہ ہیں۔ برطانوی استعمار کے وقت سے دونوں ملکوں کے مابین سرحدی تنازعہ چلا آرہا ہے۔ 26 جون کے حملے کے بعد یہ تنازعہ سرحدی جھڑپوں میں تبدیل ہوگیا۔ ایک ایسی ہی جھڑپ کے دوران دو سوڈانی قتل ہوگئے جبکہ دونوں طرف کے متعدد افراد زخمی ہوئے۔ سوڈان کا الزام ہے کہ یہ جھڑپ مصریوں نے دانستہ طور پر شروع کی۔ اس جھڑپ کے دوسرے دن خرطوم میں مظاہرین کی ایک بھیڑ نے مصری سفارت کاروں کے گھروں کے باہر مظاہرہ کرتے ہوئے، مصریوں کے بقول، ان سے بدتمیزی کی۔

سوڈانیوں کی اس بات میں بڑی سچائی ہے کہ مبارک کی جابرانہ پالیسیوں کی وجہ سے خود مصر میں ان کے مخالفین کافی تعداد میں ہیں اور اس حملے سے قبل بھی یہ لوگ ان پر قاتلانہ حملہ کرچکے ہیں۔ اس لئے مبارک کو سوڈان پر الزام لگانے کے بجائے اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنی چاہئے۔

اس واقعہ کے بعد مبارک کا پارہ مزید چڑھ گیا۔ انہوں نے سوڈان کے خلاف فوجی کارروائی کو تو خارج از امکان قرار دے دیا مگر تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر سوڈان کی موجودہ حکومت کا تختہ الٹنے کی اپیل کی۔ یہ اپیل انہوں نے خرطوم کے موجودہ حکومت کے مخالفین سے کی۔ چنانچہ خود مصر میں موجود بعض ناکام سوڈانی سیاستداں کافی سرگرم ہوگئے۔ مگر ناکام سیاستداں سے خرطوم حکومت کا کیا بگڑنا تھا۔ خود مصریوں نے اسے محسوس بھی کرلیا۔ چنانچہ حسنی مبارک نے جھلاہٹ میں ایک نئی دھمکی دی کہ وہ ان 70 سوڈانی پولیس والوں کو متنازعہ علاقہ سے نکال باہر کریں گے جن کی وہ مصری پولیس کے ساتھ نگرانی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے مصر کے ان متکبرانہ بیانات اور دھمکیوں کے جواب میں سوڈان نے بھی بعض گرم بیانات جاری کئے ہیں۔ سوڈانیوں کی اس بات میں بڑی سچائی ہے کہ مبارک کی جابرانہ پالیسیوں کی وجہ سے خود مصر میں ان کے مخالفین کافی تعداد میں ہیں اور اس حملے سے قبل بھی یہ لوگ ان پر قاتلانہ حملہ کرچکے ہیں۔ اس لئے مبارک کو سوڈان پر الزام لگانے کے بجائے اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنی چاہئے۔

ایران لاکھوں افغان پناہ گزینوں کو واپس کر رہا ہے

1979ء میں افغانستان پر روسی حملے کے بعد لاکھوں کی تعداد میں افغان عوام نے ایران میں پناہ لی تھی جنہیں اب ایرانی حکومت افغانستان واپس بھیجنا چاہتی ہے۔ اگرچہ ایرانی حکومت زور زبردستی سے افغانوں کو واپس نہیں بھیج رہی ہے مگر اس کی پالیسی یہ ہے کہ واپس جانے کے لئے ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روزانہ ہی تقریبا 15 سو کے قریب افغانی ایران چھوڑ کر اپنے وطن واپس جارہے ہیں۔

روسی حملے کے بعد کل 30 لاکھ سے زائد افغانیوں نے ایران میں پناہ لی تھی۔ مگر اب ان میں سے اکثر اپنے وطن کو واپس جاچکے ہیں۔ پھر بھی 5 لاکھ کے قریب پناہ گزیں اب بھی ایران میں موجود ہیں جو بہت جلد اپنے ملک کو روانہ ہوجائیں گے۔ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پناہ گزیں نے ایران میں موجود 30 لاکھ افغانیوں کی پہلے کوئی امداد نہ کی تھی مگر اب ایرانی حکومت کے ساتھ ایک معاہدے کے مطابق ان واپس ہورہے افغانیوں کے انتظام میں یہ مدد دے رہا ہے۔ ان پناہ گزینوں کے سفر کا انتظام کرنے کے علاوہ کمیشن ہر پناہ گزیں کو 25 ڈالر اور پچاس کلو گیہوں بھی دیتا ہے تاکہ وہ افغانستان میں جاکر فورا فاقہ کشی کا شکار نہ ہوں۔

ماضی میں افغان پناہ گزینوں کے تئیں ایران کا رویہ بڑا فراخدلانہ رہا ہے۔ پاکستان کے برعکس ایران کو پناہ گزینوں کے مسئلے سے نبٹنے کے لئے کوئی بین الاقوامی امداد نہ ملی۔ درحقیقت ایران نے، پاکستان کے برعکس، کبھی بین الاقوامی امداد کی خواہش بھی نہ کی۔ ایران کا اسلامی انقلاب اس وقت نیا نیا تھا اور لوگوں کے اندر اپنے مصیبت زدہ مسلمان بھائیوں کی امداد کا جذبہ تھا۔ بلاشبہ بہت سے پناہ گزیں شیعہ تھے مگر ان گنت سنی بھی تھے۔ ایرانی حکومت اور عوام نے ان سب کی بلا امتیاز اپنی حیثیت کے مطابق مدد کی کیونکہ ان کے نزدیک مصیبت زدہ مسلمان کی مدد کرنا کار ثواب ہے۔

روسی حملے کے بعد کل 30 لاکھ سے زائد افغانیوں نے ایران میں پناہ لی تھی۔ مگر اب ان میں سے اکثر اپنے وطن واپس جاچکے ہیں۔ پھر بھی پانچ لاکھ کے قریب پناہ گزیں اب بھی ایران میں موجود ہیں۔

پاکستان نے افغان پناہ گزینوں کو خصوصی کیمپوں میں رکھا تھا یا رکھا ہوا ہے۔ لیکن ایران نے ایسا کرنے کے بجائے پناہ گزینوں کو آزادی دی کہ وہ جہاں چاہیں رہائش اختیار کریں اور جو کام بھی انہیں ملے وہ کریں۔ بلاشبہ اس وقت خود ایران کے اندر بہت سے ایسے کام تھے جو ایرانی خود کرنا پسند نہ کرتے تھے یا اتنی اجرت پر نہ کرتے جن پر افغان پناہ گزیں کرنے کو تیار تھے۔ لیکن پناہ گزینوں میں کتنے ہی پیشہ ورانہ مہارت کے حامل تھے، انہیں بھی اونچی تنخواہوں والی نوکریاں حاصل کرنے میں دشواری نہیں ہوئی۔

لیکن جب ایران۔عراق جنگ کے خاتمے کے بعد ایران کی معاشی حالت بگڑنے لگی تو افغانوں کے تئیں حکومت کے رویے میں بھی بتدریج تبدیلی آنے لگی۔ اب یہ پناہ گزیں وہ مصیبت زدہ مسلمان نہ رہے جنہیں ان کے وطن سے نکلنے پر مجبور کردیا گیا تھا بلکہ وہ ایرانی معیشت پر ایک بوجھ تصور کئے جانے لگے۔ مزید برآں افغانستان سے روسی فوجیں جاچکی ہیں اس لئے ایران کا کہنا ہے کہ ان پناہ گزینوں کو اب اپنے گھروں کو لوٹ جانا چاہئے۔

ایران دراصل یہ امید کررہا ہے کہ ایسی صورت میں اسے بعض اپنے معاشی مسائل کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔ واضح رہے کہ حال ہی میں ایران میں روز بروز بگڑتی معاشی صورت حال کے خلاف کچھ مظاہرے ہوئے ہیں جس نے حکومت کے کان کھڑے کردئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کی موجودہ پالیسی یہ ہے کہ داخلہ اور خارجہ ہر سطح پر ایسے اقدامات کئے جائیں یا ایسی پالیسیاں اپنائی جائیں جن سے ملک کی معیشت کو سدھارنے میں مدد ملے۔ افغان پناہ گزینوں کو واپس بھیجنے کا فیصلہ بھی اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔

لیکن اس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے بدتمیزی نہیں کی جاتی۔ اب اگر کوئی اجازت کے بغیر ملک میں رکتا ہے تو اسے ایک عارضی کیمپ میں رکھ کر پھر واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد دوسرے پناہ گزینوں کو یہ یقین دلانا ہے کہ پرمٹ کی میعاد ختم ہونے کے بعد انہیں رکنے کی اجازت نہ ہوگی۔ لیکن ان پناہ گزینوں کے لئے حکومت کی پالیسی اب بھی نرم ہے جن کے بچے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے پرمٹ کی میعاد میں توسیع کرالی ہے تاکہ ان کے بچوں کا ایک سال کا نقصان نہ ہو۔ لیکن اسکولوں کے بند ہوتے ہی ان لوگوں پر بھی افغانستان واپس جانے کے لئے دباؤ پڑنے کا امکان ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ایرانی حکومت بہت جلد اپنے یہاں سے تمام ہی پناہ گزینوں کو افغانستان بھیج دے گی۔ آپس میں لڑ رہے افغانی لیڈر اس نئے مسئلے سے کیسے نبٹیں گے، اس کا اندازہ ہر کوئی کرسکتا ہے۔ بلاوجہ ان واپس ہونے والے پناہ گزینوں کو جلد ہی افغانستان میں بے شمار مسائل کا سامنا ہوگا جن کا حل ڈھونڈنا کسی کے لئے بھی آسان نہ ہوگا۔

ملت میں نفاق پیدا کرنے کی ایک سوچی سمجھی سازش

حکومت سے ائمہ مساجد کی تنخواہوں کا مطالبہ

ان دنوں ائمہ کی تنخواہ کا مسئلہ پورے ہندوستان میں بحث کا خاص موضوع بنا ہوا ہے۔ اردو اور قومی اخبارات میں خوب بحثیں ہورہی ہیں۔ موافقت اور مخالفت میں بیانات شائع ہورہے ہیں۔ یہ واقعی ایک اہم مسئلہ ہے اور دوررس نتائج کا حامل ہے۔ حکومت کے تعلق سے ماضی کے کچھ تلخ تجربات بھی ہیں اس لئے امت کا اندیشے میں مبتلا ہونا لازمی ہے۔ گذشتہ کچھ سالوں میں اخلاقی اقدار میں بڑی گراوٹ آئی ہے اور اس کا اثر پورے سماج اور معاشرے پر پڑا ہے۔ مذہبی معاملات و فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں پہلے جو مخلصانہ جذبہ تھا اس میں بڑی کمی آئی ہے۔ اب ہم تمام چیزوں کو مادی افادیت کے نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ یعنی اصل روح اب غائب ہوتی جارہی ہے۔ امامت ایک مذہبی ذمہ داری ہے یہ کوئی پیشہ نہیں، جس کے لئے آپ حکومت سے تنخواہ طلب کریں۔ دوسرے آپ امامت کریں مسجدوں میں تنخواہ طلب کریں ترسمھراؤ سے [illegible]۔ آخر ہمارے یہاں صدیوں سے کس نظام اور انتظام کے تحت اماموں کو اب تک تنخواہ ملتی رہی ہے؟

یہ تحریک جن لوگوں کے ذریعے اور جس انداز سے چلائی جارہی ہے اس میں خلوص نیت کی کمی نظر آتی ہے۔ اس تحریک میں چاپلوس اور خودغرض قسم کے لوگ شامل ہیں جو اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے غلط اور صحیح کر گزرنے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے ائمہ مساجد کی کل ہند تنظیم بھی بنا ڈالی ہے۔ تنظیم بنانا کوئی غلط بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے ذمہ دار ادھر چند سالوں سے جس طرح حکومت کے سامنے کاسہ گدائی لئے پھر رہے ہیں۔ قدویانہ اور مظلومانہ طریقے سے دست بستہ ان کے حضور سوالی بنے ہوئے ہیں اس سے اماموں کی ہی نہیں پوری امت کی تذلیل ہوتی ہے۔ ہمارا وقار مجروح ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہیں اپنے منصب کا صحیح ادراک نہیں۔ دراصل یہ صرف دو رکعت کے امام بن کر رہ گئے ہیں۔ قوموں کی امامت کا فریضہ یا تو انہیں معلوم ہی نہیں یا پھر بھول گئے ہیں۔

ائمہ مساجد کو حکومت کے ذریعہ تنخواہ کا معاملہ دراصل امت کے خلاف ایک بڑی سازش کا حصہ ہے۔ اور اس میں دلی میں بیٹھے چند لوگ شامل ہیں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کے ائمہ کو ان کی اصلیت اور حقیقت کا علم نہیں وہ اپنی سادہ لوحی میں ان کے ساتھ علم بلند کئے ہوئے ہیں۔ حکومت اماموں کے ذریعہ مسجد کے نظام میں دخیل ہوجائے گی۔ یہی تو ایک ایسا نظام اور پلیٹ فارم ہے جس پر اب تک کسی کا دباؤ نہیں رہا ہے۔ جہاں سے ہم اپنی ترتیب و تنظیم اپنی وحدت کو قائم رکھنے کے لئے غور و فکر اور مستقبل کے لائحہ عمل بے خوف و خطر بناتے رہے ہیں۔ کیا ہم اسے بھی حکومت کے حوالے کردیں؟ کیا سنت ابراہیمی اور سنت محمدی کے اس اہم مرکز کو حکومت کے زیر نگیں کردیں؟

آپ حکومت سے تنخواہ کی بات کرتے ہیں، کس حکومت سے؟ جس کے ہاتھ بابری مسجد کی شہادت سے رنگے ہوئے ہیں، جس کے دور میں ہماری ماؤں اور بہنوں کی عصمت لوٹی جارہی ہے کیا سورت اور بمبئی کا واقعہ ہم بھول گئے۔ "ٹاڈا" کا تحفہ ہمیں یاد نہیں؟

آپ حکومت سے تنخواہ کی بات کرتے ہیں، کس حکومت سے؟ جس کے ہاتھ بابری مسجد کی شہادت سے رنگے ہوئے ہیں، جس کے دور میں ہماری ماؤں اور بہنوں کی عصمت لوٹی جارہی ہے۔ کیا سورت اور بمبئی کا واقعہ ہم بھول گئے۔ "ٹاڈا" کا تحفہ ہمیں یاد نہیں؟ ہماری شہریت مشکوک بنادی گئی؟ ندوہ پر چھاپہ کس نے مارا؟ کیا ہم آئی ایس آئی کے ایجنٹ نہیں کہے گئے؟ ادھر چرار شریف کی تباہی کا معاملہ بالکل تازہ ہے۔ پھر بھی ہم چند کوڑیوں کے لئے اپنے ضمیر کو بیچنے کے لئے تیار ہیں۔ ہماری غیرت اور حمیت کو کیا ہوا؟ ہم کتنے بے حس اور غیر حقیقت پسند ہوگئے ہیں۔ آپ اس وزیراعظم کو دستار فضیلت باندھ رہے ہیں جس کا دور حکومت ہماری سب سے بڑی تذلیل کا دور رہا ہے۔ اور جس کے قول و فعل کا کوئی بھروسہ نہیں۔ مسلمانوں کے لئے انہوں نے کون سی بہی خواہی کا کام کیا اور پھر کیا وجہ ہے کہ راتوں رات انہیں ائمہ مساجد کی پریشانی بے چین کرنے لگی اور کیا اس سے پوری ملت کا مسئلہ حل ہوجائے گا؟ دراصل یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے امت کے اندر نفاق پیدا کرنے کی۔ ہماری مذہبی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی۔ ائمہ مساجد کو حالات کی سنگینی اور مسئلے کی نزاکت کا صحیح احساس کرنا چاہئے اور حکومت سے تنخواہ کے معاملے پر ازسرنو اور سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے مشورے کو خوشدلی اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ قبول کرنا چاہئے۔ ہمیں اس وقت اپنی ملی وحدت سب سے زیادہ عزیز ہونی چاہئے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہمیں ائمہ مساجد کے اور ان کی مشکلات اور پریشانیوں کا علم نہیں اور اس سے ہمدردی نہیں، ہمیں یقیناً ان کے مسائل سے دلچسپی ہے۔ ان کی پریشانیوں کا احساس ہے، انہیں کفاف کے طور پر بہت کم پیسے ملتے ہیں جو ان کی ضروریات زندگی کے لئے بالکل ناکافی ہیں بلکہ یہ رقمیں اتنی کم ہوتی ہیں کہ زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ ایک آدمی کا گزر بسر ممکن نہیں ہے چہ جائیکہ پورے خاندان کی کفالت کی جاسکے۔ ہم اپنی امت کے ذمہ دار اور حساس افراد سے کہنا چاہیں گے کہ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی اور ہمدردی کے ساتھ غور فرمائیں۔ مساجد کمیٹی کے ذمہ داران خاص طور سے اس طرف توجہ دیں۔ صاحب خیر حضرات آگے بڑھ کر آئیں۔ ائمہ کے مسائل اور ان کی ضروریات کے مطابق انہیں کفاف مہیا کریں۔ ان کے بچوں کی بہتر تعلیم کا نظم کروائیں۔ ہم نے اب تک اس طرف سے بے توجہی برتی ہے۔ ان کے مسائل کا سچا ادراک نہیں کیا۔ اس کے لئے ہم سب لوگ ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا اپنی بے حسی کو ختم کرکے اس طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ملت کے مسائل اور معاملات ملت کے اندر ہی حل کرلئے جائیں اور غیروں کو بے جا مداخلت کا موقع نہ ملے۔

مرحبا مرحبا! یا امیر الہند آپ نے تو کمال ہی کردیا

سپریم کورٹ نے یکساں سول کوڈ کا مشورہ دے کر جہاں مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے وہیں سیاسی اور ملی جماعتوں کو ایک ایشو، اپنی سرگرمی دکھانے اور خود کو مصروف رکھنے کا جواز فراہم کردیا ہے لہٰذا وہ جماعتیں جن کے پاس ملت کے فروغ و استحکام کے لئے نہ کوئی منصوبہ ہے اور نہ مستقبل کے لئے کوئی لائحہ عمل، خصوصیت کے ساتھ سرگرم عمل ہوگئی ہیں اس لئے کہ ان کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام نہیں، فسادات میں وہ ریلیف کا کام ضرور کرتے ہیں اور فسادات کے منتظر رہتے ہیں تاکہ ملت کی خدمت انجام دے سکیں۔

گذشتہ دنوں دہلی میں بڑے بڑے اشتہار شائع ہوئے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے زیر اہتمام "یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن" منعقد کیا گیا۔ مقصد بڑا نیک اور اعلیٰ تھا کہ یکساں سول کوڈ کے مضرات اور اس کے مختلف پہلوؤں کو ملت کے سامنے پیش کیا جائے اور حکومت پر واضح کردیا جائے کہ ہمیں یکساں سول کوڈ منظور نہیں۔ لیکن کرنے والوں کی نیت اور خلوص پر لوگوں کو شبہ ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کا جدوجہد آزادی میں ایک رول تھا اس کے قائدین اور رہنماؤں کی قربانیوں سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن آزادی کے بعد اس نے ملت کی تعمیر و ترقی میں کوئی رول ادا کیا؟ ملت کے لئے کوئی منصوبہ عمل بنایا؟ جواب نفی میں ہوگا۔ کوئی تحریک زیادہ دن تک جذباتی نعروں کے بل پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اپنی کشش کھودیتی ہے اور اپنی موت آپ مرجاتی ہے۔

بہرحال! بات چل رہی تھی "یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن" کی۔ بات صرف کنونشن تک ہی ہوتی تو کوئی نوٹس لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ آئے دن نہ جانے کتنے کنونشن اور کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں آدمی کہاں تک ان کے پیچھے وقت برباد کرے۔ لیکن خود ساختہ امیر الہند کی صدارتی تقریر کے ایک حصے نے ہمیں قلم اٹھانے کی تحریک بخشی وہ حصہ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

"حکومت میں مسلم مسائل کی سماعت نہیں ہوتی۔ پچاس برس سے مسلمانوں کو انصاف نہیں ملا ہے۔ ہمیں ملازمت نہیں دی جارہی ہے۔ ان حالات میں حکومت ہمارے مذہب پر ہاتھ ڈالنا چاہتی ہے۔ ہمارے حالات غلامی سے بدتر ہیں ہم وہ لوگ نہیں جو بھیک مانگیں۔"

سوال کیا جاسکتا ہے کہ گذشتہ پچاس سال سے آپ کہاں تھے؟ آپ نے اپنی سوچ اور فہم کو کہاں رہن رکھ دیا تھا؟ کہ آپ کو یہ پتہ ہی نہ چلا۔ پچھلے پچاس سالوں میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ کون سے دکھ نہیں سہے کون سی اذیت برداشت نہیں کی، ہزیمتوں کی پوری ایک داستان ہے۔ اتنے گھاؤ کھائے کہ ان کا شمار ممکن نہیں اور آپ اب کہتے ہیں مسلمانوں کو پچاس سال میں انصاف نہیں ملا۔

کوئی پوچھے امیر الہند سے کہ آپ تو کانگریسی حکومت کا حصہ رہے ہیں ہمیشہ اس کی ہوا خواہی کی ہے۔ اور آپ کی شناخت تو کانگریس کے "دم چھلے" کی حیثیت سے رہی ہے۔ کیا آپ اس "چاپلوسی اور خوشامد" کے بدلے راجیہ سبھا کی ممبری نہیں حاصل کرتے رہے؟ آپ ہی بتائیں راجیہ سبھا کی ممبری کا تحفہ کس خوشی اور کس قربانی کے طفیل ملتا رہا؟

۔ حکومت میں مسلم مسائل کی سماعت نہیں ہوتی۔ اس کا احساس آپ کو اب ہوا ہے۔ کتنے معصوم ہیں آپ۔ ملازمت میں 48-1947ء میں مسلمانوں کا تناسب بتیس فیصد تھا اور اس وقت صرف تین فیصد ہے۔ حضور دست بستہ آپ سے عرض ہے کہ مسلمانوں کی ہندوستان میں یہ حالت، ان کی پستی، ان کی زبوں حالی اور گذشتہ دہوں میں ان کی ذلت و رسوائی کا سبب آپ ہی جیسے رہنما ہیں۔ جو ملت کے سروں کو گنوا کر صرف اپنا مفاد حاصل کرتے رہے۔ امیر الہند کا دعویٰ کرنے والے حضرت آپ ہی بتائیے اس مظلوم امت کے لئے آپ کو کبھی سوچنے کا موقع ؟ آپ کو اپنے حلوے مانڈے سے فرصت کہاں؟ آپ نے ان کی اخلاقی تربیت اور سماجی اصلاح کے لئے کوئی قدم اٹھایا؟ ان کے اندر ملی اخوت اور بھائی چارہ قائم کرنے کے لئے کیا کیا؟ تعلیمی اور معاشی محاذ پر کوئی سرگرمی دکھائی؟ کوئی منصوبہ بنایا؟ جواب نفی میں ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں "ہم وہ لوگ نہیں جو بھیک مانگیں" جبکہ آپ ہمیشہ کانگریسی دربار میں کاسہ گدائی لئے رہے اور آپ کی جھولی بھری بھی گئی پارلیمنٹ کی ممبری کی شکل میں۔

اب اس وقت الیکشن قریب ہے پھر آپ جیسے لوگ بولیاں لگانے آگئے ہیں تاکہ کچھ قیمت وصول کرلیں اس سے بہتر موقع اور کیا ہوسکتا ہے۔ کانگریسی آقاؤں کے اشارے پر آپ نے کنونشن کر ڈالا اور تجاویز لے کر وزیراعظم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ میں حکم بجا لایا حضور۔ اور بیان داغ دیا کہ حکومت جبراً یکساں سول کوڈ نافذ نہیں کرے گی۔ اور آپ خوب واہ واہی وصول رہے ہیں۔ مرحبا مرحبا یا امیر الہند! آپ نے تو کمال ہی کردیا۔ اور اس کے عوض آپ کو پارلیامنٹ کی ممبری تو مل ہی جائے گی۔

اے امیر الہند آپ واقعی امیر الہند بنئے۔ آگے آئیے اور ملت کی اس ڈوبتی کشتی کے کھیون ہار بنئے۔ آپ کو خود ہی اس کا احساس ہے کہ مسلمان غلامی سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں ان کے لئے جدوجہد کیجئے ان کی ذلت و رسوائی کو عزت و وقار میں بدل دیجئے۔ خدارا ان کے لئے کچھ کیجئے۔

بقیہ مسلمانوں کو ریزرویشن

پسماندہ طبقات میں سے ریزرویشن کاٹ کر مسلمانوں کو دینے سے پسماندہ طبقات میں غم و غصے کی کیفیت پیدا ہوجائے گی اور وہ مسلمانوں کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کریں گے۔ مسلمانوں کو ریزرویشن کے معاملے پر جس طرح بی جے پی نے اپنی ناراضگی ظاہر کی تھی اس سے مسلمانوں کو یہ خدشہ لاحق ہوگیا ہے کہ وہ ہندوؤں میں اس کا پروپیگنڈہ کرے گی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرے گی۔ اگر بی جے پی مسلم مخالف جذبات بیدار کرنے میں کامیاب ہوگئی تو اس سے ٹکراؤ کی فضا پیدا ہوگی۔ فرقہ واریت میں اضافہ ہوگا اور بی جے پی اسی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔

اس معاملے میں سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ بی ایس پی چونکہ بی جے پی کے جذبات کو نظرانداز کرکے حکومت میں باقی نہیں رہ سکتی اس لئے مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کا اعلان دونوں جماعتوں کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ یہ محض اعلان کی حد تک رہے گا اور بی جے پی اس کا پروپیگنڈہ کرکے اسے ووٹ کی شکل میں بھنائے گی۔ اس اعلان میں کانشی رام کی مسلم دوستی کا جذبہ ڈھونڈنا بھی حماقت سے کم نہیں ہے۔ جو پارٹی بی جے پی جیسی فاشسٹ جماعت کی حمایت سے حکومت بنا سکتی ہو وہ کسی بھی مرحلے میں مسلم دوست نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس پر مسلمانوں کو خوش ہونے کے بجائے ہوشیار ہوجانے کی ضرورت ہے۔ اسی بیچ اترپردیش کے کچھ نام نہاد مسلم لیڈر جن کی لیڈری اخباری بیانات کی بنیاد پر چلتی ہے، ایک میٹنگ کرکے انتخابی بازار کی سب سے قیمتی شے کو بیچنے کا ماحول بنا رہے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ قیمت کون وصول کرتا ہے —

یوپی کی سیاست میں پھر زلزلہ کے آثار

کانشی رام مایاوتی حکومت کو جلد ہی گرادیں گے

کیا اترپردیش میں ایک بار پھر سیاسی بحران پیدا ہونے والا ہے؟ کیا بی ایس پی کے صدر کانشی رام پھر انگڑائی لینے والے ہیں؟ کیا موجودہ حکومت چند دنوں کی مہمان ہے اور کیا بی جے پی کی توقعات کے برخلاف کانشی رام موجودہ حکومت کو پارلیمانی انتخابات سے بہت پہلے گرادینا چاہتے ہیں؟ یہ اور ایسے نہ جانے کتنے سوالات آج دہلی کے سیاسی حلقوں میں گردش کر رہے ہیں۔

کانشی رام ابھی حال ہی میں جاپان کے دورے پر گئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے وزیراعلی مایاوتی کو دہلی طلب کیا اور ایک دن ایک رات دونوں میں یوپی کے سیاسی حالات پر گفتگو چلتی رہی۔ دونوں کے اس طویل اجتماع پر سیاسی حلقوں میں چہ می گوئیاں ہورہی ہیں۔ مایاوتی کو طلب کیا جانا اس لئے بھی کافی اہمیت رکھتا ہے کہ ابھی ایک دن قبل ہی وہ کانشی رام سے مل کر لکھنؤ گئی تھیں اور ابھی وہ اپنی پارٹی کے ساتھیوں اور وزیروں سے محو گفتگو ہی تھیں کہ ان کے لئے پیغام آگیا۔ کانشی رام اور مایاوتی نے زیر گفتگو آنے والے موضوع پر روشنی ڈالنے سے انکار کردیا۔ تقریباً ڈیڑھ دو دن کے بعد کانشی رام بھی لکھنؤ چلے گئے اور وہاں ایک بار پھر دونوں میں طویل مذاکرات ہوئے۔ بی ایس پی کے ذرائع کے مطابق یہ مذاکرات سیاسی نوعیت کے تھے اور مایاوتی کو کانشی رام نے یہ ہدایت کی ہے کہ وہ بی ایس پی کی پالیسیوں کو سامنے رکھ کر ہی کام کاج کریں۔ بارسوخ ذرائع کے مطابق کانشی رام کا خیال ہے کہ اب اس منوادی پارٹی یعنی بی جے پی کی حمایت کی کوئی خاص افادیت نہیں رہ گئی ہے۔ کیوں کہ یہ حمایت صرف ملائم حکومت گرانے کے لئے لی گئی تھی۔ اب جبکہ ملائم کا سیاسی قد کافی حد تک کم ہوگیا ہے تو بی جے پی کی پرواہ کئے بغیر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ بارسوخ ذرائع کے مطابق کانشی رام نے مایاوتی سے یہی کہا ہے کہ وہ اپنے فیصلوں پر بی جے پی کے دباؤ کو اثرانداز نہ ہونے دیں اور اس کا قطعی خیال نہ کریں کہ ان کے فیصلوں سے بی جے پی قیادت ناراض ہوجائے گی۔

> کیا موجودہ حکومت چند دنوں کی مہمان ہے اور کیا بی جے پی کی توقعات کے برخلاف کانشی رام موجودہ حکومت پارلیمانی انتخابات سے بہت پہلے گرادینا چاہتے ہیں؟ یہ اور نہ جانے کتنے سوالات آج دہلی کے سیاسی حلقوں میں گردش کر رہے ہیں۔ کانشی رام کا خیال ہے کہ اب اس منوادی پارٹی یعنی بی جے پی کی حمایت کی کوئی خواص افادیت نہیں رہ گئی ہے۔ کیوں کہ یہ حمایت صرف ملائم حکومت گرانے کے لئے لی گئی تھی۔

اترپردیش کی افسرشاہی میں بی ایس پی کا خاصہ اثر ہے۔ ریاست کے چیف سکریٹری ماتا پرشاد جو کہ پہلے مرکز میں تھے اور جنہیں مایاوتی نے راؤ سے مانگ لیا ہے، کانشی رام کے پرانے دوست اور بی ایس پی کے ایک طرح کے نظریہ ساز ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بی ایس پی کو دلت پٹری پر چلانے میں ان کا اہم رول ہے۔ ادھر معروف صنعت کار جینت ملہوترہ بھی اس سلسلے میں بی ایس پی کے کافی معاون رہے ہیں۔ مذکورہ دونوں افراد کا خیال ہے کہ بی ایس پی کو اب بی جے پی کے احسانات سے سبکدوش ہوجانا چاہئے۔ کانشی رام نے بھی اس نظریہ کا اپنے حلقوں میں اظہار کیا ہے کہ اگر زیادہ دنوں تک بی جے پی کی حمایت سے حکومت کرتے اور اس کی خواہشوں کا احترام کرتے رہے تو بی جے پی بی ایس پی کے لئے نقصاندہ ثابت ہوگی اور بی ایس پی کے ووٹ بینک میں بی جے پی نقب لگائے گی۔ اس لئے کانشی رام اب ایک طرف نئے سیاسی حلیف کی تلاش میں مصروف ہیں اور دوسری طرف ایسے اقدامات کرنے کے حامی ہیں کہ جن سے بی جے پی کے لیڈروں میں چڑ پیدا ہو اور وہ حمایت واپس لینے پر مجبور ہوجائیں حالانکہ بی جے پی ابھی حمایت واپس لینا نہیں چاہتی لیکن اگر اس کے منصوبے کے مطابق کام نہیں ہوا تو وہ حمایت واپس لینے کا اعلان بھی کرسکتی ہے۔

معتبر ذرائع کے مطابق کانشی رام نے مرکزی وزیر اور ملائم سنگھ کے دیرینہ حریف اجیت سنگھ سے دوستی کی پینگوں کو اور آگے بڑھانا شروع کردیا ہے۔ ملائم حکومت کو گرانے اور مایاوتی کو بٹھانے میں ان کا بھی اہم رول رہا ہے۔ یہ ملائم کے دور میں یوپی کے معاملات میں راؤ کے طریقہ کار سے خوش نہیں تھے۔ کانشی رام کا خیال ہے کہ اجیت سنگھ کو ساتھ لینے سے جاٹ طبقہ بھی ان کے ساتھ آجائے گا۔ اس طرح وہ جاٹ، دلت، پسماندہ اور مسلمانوں کا اتحاد قائم کرلیں گے وہ یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ اجیت سنگھ کے سیاسی عزائم ایسے نہیں ہیں کہ آگے چل کر انہیں ان سے خطرہ لاحق ہوجائے۔ ان کے پاس اتنی سیاسی قوت نہیں ہے کہ وہ یوپی کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی سوچ سکیں۔ اس لئے ان کی حمایت لینے سے بی ایس پی کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اجیت سنگھ بھی کانشی رام کے کافی قریب آگئے ہیں۔ جینت ملہوترہ نے بھی ان سے بارہا طویل گفتگو کی ہے۔ اس لئے سیاسی حلقوں میں ایسا سمجھا جارہا ہے کہ کانشی رام جلد ہی کوئی نیا گل کھلانے والے ہیں اور اس سے سب سے زیادہ حیرت بی جے پی کو ہوسکتی ہے۔
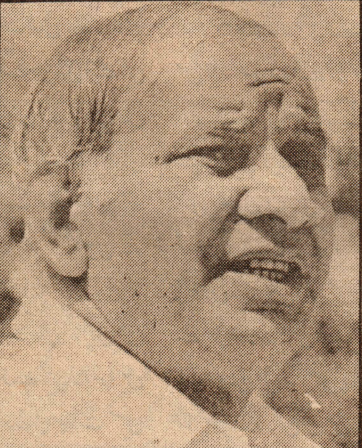
یہ ہیں کٹھ پتلی حکومتیں اور انکے ریموٹ کنٹرول وزراءاعلی

ہندوستانی جمہوریت میں اکسٹرا کانسٹی ٹیوشنل شخصیتیں ہمیشہ موجود رہی ہیں۔ یعنی ایسی شخصیات جن کی کوئی آئینی و دستوری حیثیت نہیں ہوتی اور جنہیں حکومتی معاملات میں مداخلت کرنے کا کوئی جواز حاصل نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ نہ صرف سرکاری معاملات میں مداخلت اور سرکاری فیصلوں کو متاثر کرتی ہیں بلکہ عملی طور پر عنان حکومت انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ انہی کے اشارہ چشم و ابرو پر فیصلے لئے جاتے ہیں اور وہی حکومتی امور میں سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں۔

مہاراشٹر میں شیوسینا اور بی جے پی کی حکومت بننے کے بعد جب بال ٹھاکرے نے اعلان کیا کہ وہ موجودہ حکومت کے ریموٹ کنٹرول ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا تو اخبارات میں یہ معاملہ خوب اچھلا تھا۔ اب جبکہ اس حکومت کے قیام کو کئی مہینے ہوچکے ہیں، بال ٹھاکرے اپنے اعلان پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

ابھی گذشتہ دنوں منوہر جوشی نے امریکہ کا دورہ کیا وہاں انہوں نے بمبئی میں ہوائی اڈہ بنانے کے امکانات پر غور کرنے کے لئے ہندوجا گروپ کے ساتھ ایک قرارداد پر دستخط کیا۔ ٹھاکرے نے اس کی زوردار مخالفت کی اور کہا کہ دستخط کرنے سے قبل انہوں نے ان سے اس مسئلے پر کوئی مشورہ نہیں لیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے جوشی کو یہ بھی حکم صادر کیا تھا کہ وہ امریکہ میں ٹائی نہیں باندھیں گے اور اپنے ہندوستانی لباس میں رہیں گے۔

اس وقت مہاراشٹر کے علاوہ مزید تین ریاستوں میں بھی عنان حکومت ریموٹ کنٹرول کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ریاستیں ہیں اترپردیش، آندھرا پردیش اور تمل ناڈو۔ جہاں علی الترتیب کانشی رام، مسز لکشمی پاروتی اور ششی کلانٹراجن ریموٹ کنٹرول کا رول ادا کر رہے ہیں۔ وزیراعلی بننے کے بعد جب بی جے پی کے اشارے پر مایاوتی نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی تھی تو کانشی رام نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور پھر چند دن میں یہ پابندی اٹھالی گئی۔ کانشی رام خواہ اپنے فلیٹ میں ہوں یا اسکرٹ ہارٹ انسٹی ٹیوٹ میں زیر علاج ہوں، نے ہمیشہ اکسٹرا کانسٹی ٹیوشنل قدم اٹھایا ہے۔ ایس پی اور بی ایس پی حکومت کے بارے میں بھی ان کا دعوی تھا کہ اسے وہی کنٹرول کر رہے ہیں۔
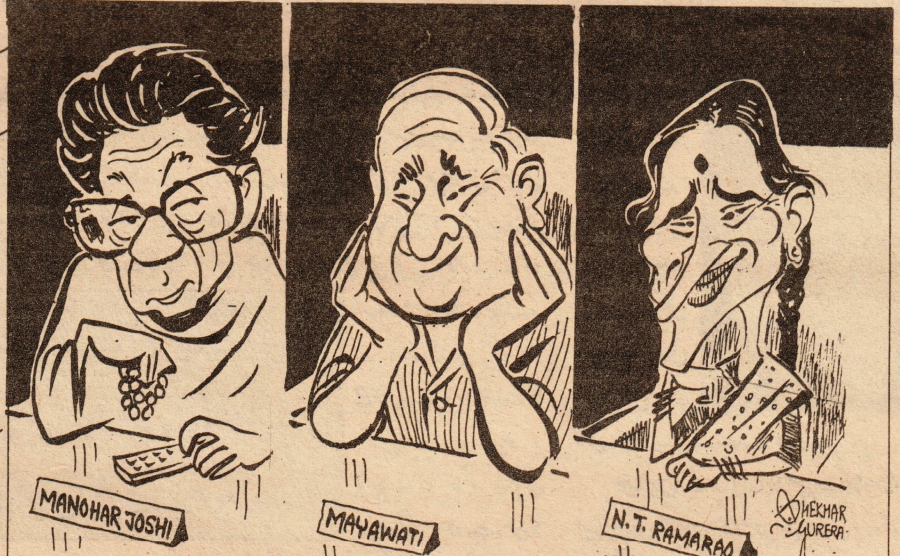
MANOHAR JOSHI
MAYAWATI
N.T. RAMARAO
SHEKHAR GURERA

> اس وقت مہاراشٹر کے علاوہ مزید تین ریاستوں میں بھی عنان حکومت ریموٹ کنٹرول کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ریاستیں ہیں اترپردیش، آندھرا پردیش اور تمل ناڈو۔ جہاں علی الترتیب کانشی رام، مسز لکشمی پاروتی اور ششی کلانٹراجن ریموٹ کنٹرول کا رول ادا کر رہے ہیں۔

ریموٹ کنٹرول کا لفظ استعمال کرنے کو وہ پسند نہیں کرتے لیکن کام وہی کرتے ہیں جو ریموٹ کنٹرول کا ہوتا ہے۔ مایاوتی حکومت میں وزارتی کونسل کی تشکیل انہوں نے ہی کی کس کو وزارت میں لینا ہے اور کس عہدے پر رکھنا ہے اور کسے باہر رکھنا ہے اس کا فیصلہ انہوں نے ہی کیا۔ اتنا ہی نہیں وہی یہ فیصلہ بھی کر رہے ہیں کہ کن افسران کا تبادلہ کرنا ہے، کن کو اچھی جگہ بھیجنا ہے اور کن کو کمتر مقام پر ڈال دینا ہے۔

ادھر آندھرا پردیش میں حکومت کی ڈور وزیراعلی این ٹی راما راؤ کی بیوی لکشمی پاروتی کے ہاتھ میں ہے۔ حکومتی معاملات میں ان کی بڑھتی ہوئی مداخلت نے خاندانی لڑائی کا روپ اختیار کرلیا ہے۔ لوگوں کے کان اسی وقت کھڑے ہوگئے تھے جب ان کے اشارے پر راماراؤ نے اپنی پارٹی سے تیلگو دیشم ایم پی رینو کا چودھری کو نکال دیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ٹیکالی کے ضمنی الیکشن کے موقع پر تنازعہ کھڑا ہوا۔ یہ دیکھ کر کہ راماراؤ لکشمی پاروتی کو وہاں سے ٹکٹ دینا چاہتے ہیں ان کے تیسرے بیٹے ہری کرشن نے ٹیکالی سے الیکشن لڑنے کا اعلان کیا۔ بعد میں ٹکٹ ایک تیسرے شخص کو دے کر معاملہ رفع دفع کیا گیا۔

تمل ناڈو میں ششی کلانٹراجن کے رول پر بھی کافی ہنگامہ ہے۔ وزیراعلی جے للتا نٹراجن کو اپنی بہن کہتی ہیں اور بہن جی جے للتا کے تمام امور گھریلو زندگی سے لے کر سرکاری کام کاج تک میں بھی فیصلہ کن دخل رکھتی ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر وزیراعلی کوئی بھی قدم نہیں اٹھاتیں۔ گذشتہ دنوں انفورسمنٹ ڈائرکٹوریٹ نے ششی کلا سے کچھ پوچھ گچھ کی تھی جس پر جے للتا کافی برہم ہوئی تھیں اور عوامی بیان دے کر کہا تھا کہ انہیں ان کی بہن سے کوئی بھی جدا نہیں کرسکتا اور اگر ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے تو ایسا کرنے والے کے خلاف قانونی کارروائی ہوگی۔ ششی کلانٹراجن نہ صرف جے للتا کی ذاتی زندگی کی مکمل انچارج ہیں بلکہ کئی کمپنیوں میں ان کی پارٹنر اور کئی کمپنیوں کی خود مالک بھی ہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ یہ واقعات پہلی بار ہوئے ہوں۔ اندرا گاندھی کے زمانے سے ہی ایسا چلا آرہا ہے۔ ان کے دور میں سنجے گاندھی کو مرکزی حکومت کے معاملات میں مداخلت کرنے کی پوری آزادی تھی اور ادھر دیوی لال جب ہریانہ کے وزیراعلی تھے تو ان کے بیٹے اوم پرکاش چوٹالہ سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

پنجاب کے وزیراعلی بے انت سنگھ کے پوتے گورکیرت سنگھ اور مغربی بنگال کے وزیراعلی

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

"ہم جانوروں کی زندگی جینے پر مجبور ہیں"

لبنان کے پناہ گزیں کیمپوں کے فلسطینیوں کی داستان الم

یوں تو پوری فلسطینی قوم اس پوری صدی میں نوع بہ نوع مسائل و مصائب کا شکار رہی ہے لیکن آج لبنان کے پناہ گزیں کیمپوں میں رہنے والے فلسطینیوں پر جو گزر رہی ہے وہ ایک دردناک کہانی ہے۔ بلاشبہ ان فلسطینیوں نے آج سے برے دن بھی دیکھے ہیں لیکن تب کچھ اپنے اور کچھ غیر بھی ان کے پرسان حال تھے جو ان کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ مگر آج حالت کچھ یوں ہے کہ غیروں کے ساتھ اپنوں نے بھی ان غریب و بدحال اور بے گھر فلسطینیوں سے نگاہیں پھیرلی ہیں۔

یہ فلسطینی لبنان کے خستہ حال کیمپوں میں جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسرائیل انہیں اپنے گھروں کو واپس ہونے کی اجازت نہیں دیتا اور لبنان انہیں اپنے یہاں آباد ہونے سے روکتا ہے۔ پس پناہ گزیں کیمپوں میں ان کی زندگی بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ انہیں مستقبل پوری طرح تاریک نظر آرہا ہے۔

یہ فلسطینی اسرائیل کے گیلیلی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں 1948ء میں ہجرت پر مجبور کیا گیا تھا۔ یہ مغربی کنارے یا غازہ کے فلسطینیوں کے رشتہ دار بھی نہیں ہیں اور نہ ہی 1967ء کی جنگ کے نتیجہ میں بے گھر ہوئے ہیں جن کی مختصر تعداد کو غازہ میں آباد کئے جانے کا پروگرام ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو لبنان میں پناہ گزیں فلسطینیوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

15 سالہ خانہ جنگی کے بعد لبنان اپنی تعمیر نو میں اس قدر مصروف ہے کہ اس کے پاس دوسروں کے بارے میں سوچنے کے لئے وقت بھی نہیں ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ لبنانی حکومت دانستہ طور پر ایسی پالیسیاں اپنا رہی ہے جن کا واضح مقصد ان پناہ گزینوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کرنا ہے۔ حالانکہ ان بیچاروں کے پاس اس لمبی چوڑی دنیا میں پناہ کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ہے۔

لبنان میں فلسطینی پناہ گزینوں کے لئے کبھی 17 کیمپ تھے۔ آج ان میں سے صرف 12 باقی ہیں۔ بقیہ پانچ کیمپوں کے افراد بھی اب انہیں 12 کیمپوں میں آباد ہیں۔ لبنانی حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ان کیمپوں میں توسیع نہ کی جائے نہ ہی وہ نئے کیمپ بنانے کی اجازت دے رہی ہے۔ مزید براں موجودہ کیمپوں کے اندر نہ صرف نئے مکانات بنانے پر پابندی ہے بلکہ جو جنگ کے دوران منہدم ہوگئے تھے ان کی تعمیر نو کی بھی اجازت نہیں ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ان موجودہ بارہ کیمپوں میں سے کچھ مثلاً شتیلا اور عین الحلوی نئے اور وسیع لبنان کے لئے ہورہی تعمیرات میں گھر کر شاید اپنا وجود کھودیں۔

ان فلسطینی پناہ گزینوں کی دردناک کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی۔ بہت سارے فلسطینی جو 15 سالہ خانہ جنگی یا اسرائیلی حملوں کی وجہ سے بیروت شہر میں ادھر ادھر مکانات لے کر رہ رہے تھے اب انہیں وہاں سے نکالا جارہا ہے۔ انہیں بے گھر کرکے پانچ ہزار ڈالر ان کے ہاتھوں میں تھما دئے جاتے ہیں۔ جس سے وہ کہیں اور مکان خرید نہیں سکتے۔ پھر ستم یہ ہوتا ہے کہ اس معاوضہ کے بعد اقوام متحدہ کی ریلیف ایجنسی انہیں اپنی لسٹ سے خارج کردیتی ہے۔ اس کے بعد ان غریب فلسطینیوں کا مقدر دربدر کی ٹھوکریں کھانا رہ جاتا ہے۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چھوٹے مکانات تعمیر کرتے ہیں اور بلڈوزر ان کا پیچھا کرتے ہیں۔

> کون ہیں یہ بیوہ عورتیں، یتیم بچے، بوڑھے اور اپاہج؟ بلاشبہ یہ ان شہیدوں کے اعزاء و احباب ہیں جنہوں نے اسرائیل کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کردی کیا آج عرفات کے پاس ان بے سہاروں کے درد کا بھی کوئی مداوا ہے؟ اور کیا امیر عرب ممالک پر ان یتیموں اور بیواؤں کا بھی کوئی حق ہے؟ اور رہی دنیا خصوصاً اہل مغرب تو ان کے ضمیر پر تو مدت سے زنگ آلود تالا پڑا ہوا ہے۔

لبنان ان پناہ گزیں فلسطینیوں کو شہری حقوق دینے سے مسلسل انکار کر رہا ہے۔ انہیں وہاں کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جلد ہی 20 فلسطینی ڈاکٹروں پر اس جرم میں مقدمہ چلایا جانا ہے کہ انہوں نے بلا اجازت وہاں پریکٹس شروع کردی تھی۔ لبنانی افسران کا کہنا ہے کہ ملک کی مشکل معاشی حالت کی وجہ سے انہیں یہ سخت اقدامات کرنے پڑ رہے ہیں۔ لیکن فلسطینیوں کا خیال ہے کہ لبنان انہیں غربت کی چھڑی سے مار مار کر بھگانے کی اسکیم پر عمل کر رہا ہے۔

اسرائیل - پی ایل او امن مذاکرات کے آغاز کے بعد سے لبنان کے پناہ گزیں فلسطینیوں کی حالت اور بھی خستہ ہوئی ہے۔ اب جو ملک بھی یا رفاہی ادارہ کوئی مدد دیتا ہے وہ ان غازہ اور مغربی کنارے کے فلسطینیوں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ پھر پی ایل او کے افسران کے غازہ چلے جانے اور وہاں کے مسائل میں الجھ جانے سے ان لبنانی فلسطینیوں کو ان چند چھوٹی موٹی نوکریوں، پنشن، اسکالرشپ اور طبی سہولتوں سے بھی محروم ہونا پڑا ہے جو پہلے پی ایل او کی طرف سے انہیں حاصل ہوجاتی تھیں۔

لبنان میں ان پناہ گزیں فلسطینیوں کی حالت زار میں مزید اضافہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ کسی کو ان کی صحیح تعداد کا بھی علم نہیں ہے۔ برسر روزگار، بے روزگار یا آدھے برسر روزگار، یتیم بچوں، بے سہارا بوڑھوں، بیوہ عورتوں اور اپاہجوں کے بارے میں صحیح اعداد و شمار بھی حاصل نہیں ہیں جن کی مدد سے محدود امدادی رقموں کا زیادہ بہتر انداز میں استعمال کیا جاسکے۔
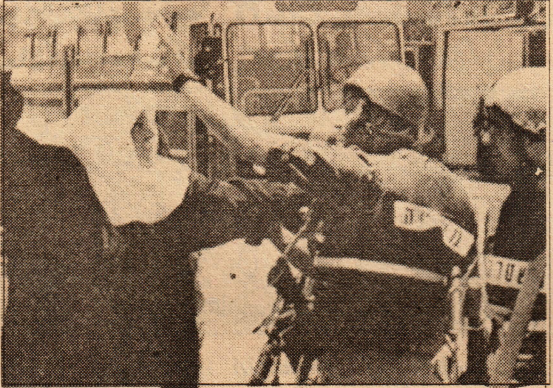
کون ہیں یہ بیوہ عورتیں، یتیم بچے، بوڑھے اور اپاہج؟ بلاشبہ یہ ان شہیدوں کے اعزاء و احباب ہیں جنہوں نے اسرائیل کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جاں جان آفریں کے حوالے کردے۔ آج انہیں کی قربانیوں کی بنیاد پر یاسر عرفات نے غازہ میں اپنے اقتدار کا محل تعمیر کیا ہے۔ کیا آج عرفات کے پاس ان بے سہاروں کے درد کا بھی کوئی مداوا ہے؟ اور کیا امیر عرب ممالک پر ان یتیموں اور بیواؤں کا بھی کوئی حق ہے؟ اور رہی دنیا خصوصاً اہل مغرب تو ان کے ضمیر پر تو مدت سے زنگ آلود تالا پڑا ہوا ہے۔

اپنے کرتوتوں کے سبب لبنان کے عیسائی سیاسی قیادت سے محروم

جنگ عظیم اول کے بعد جب لبنان اور شام کو فرانس کے زیر انتداب دے دیا گیا تو اس کے بعد فرانس کے استعماری اور عیسائی حکمرانوں نے وہاں ایک ایسا نظام قائم کیا جس سے لبنان کے عیسائیوں کو معاشی و سیاسی برتری حاصل ہوسکے۔ یہ صورت حال 1975ء میں شروع ہونے والی خانہ جنگی تک قائم رہی۔

دراصل لبنان کی عیسائی آبادی اس سیاسی برتری کو قائم رکھنا چاہتی تھی جو اسے حاصل تھی اور جسے مسلم اکثریت اب قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔

عیسائیوں نے اپنی اس برتری یا مراعات کو قائم رکھنے کے لئے ہتھیار اٹھالیا جس سے خانہ جنگی چھڑ گئی جو 1990ء تک جاری رہی۔ 1989ء میں سعودی عرب کے شہر طائف میں لبنان کی مختلف جماعتوں کے نمائندوں کی شاہ فہد کے ایماء پر ایک کانفرنس ہوئی جس نے ایک سمجھوتے پر دستخط کردئے۔ اس معاہدے کے مطابق صدر تو اب بھی ایک عیسائی ہی ہوگا لیکن سنی وزیراعظم اور پارلیمنٹ کے شیعہ اسپیکر کے مقابلے میں اب اس کے اختیارات لا محدود نہ ہوں گے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ لبنان کے عیسائی اس معاہدے سے خوش نظر نہیں آتے اور برسرعام شکایت کرتے ہیں کہ طائف معاہدے کی من مانی تشریح کے ذریعہ ان کے حقوق سلب کئے جارہے ہیں۔

دراصل لبنان کو "عظیم شام" سے الگ ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ یہاں عیسائیوں کو غلبہ دلایا جاسکے لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ پورے ملک پر شام کا سایہ چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ طائف معاہدے میں لبنان کے شام سے "خصوصی تعلقات" کا ذکر ہے لیکن آج شام اس کے ذریعہ پورے لبنان پر اپنا کنٹرول جمائے ہوئے ہے جو عیسائیوں کو پسند نہیں ہے۔ 1980ء کی دہائی میں جنرل عون کی قیادت میں عیسائیوں نے شام کے اثر کو کم کرنے یا اسے لبنان سے بے دخل کرنے کے لئے عراق کی مدد سے مسلح جدوجہد شروع کی تھی جو خلیجی جنگ میں بغداد کی شکست کے بعد دم توڑ گئی۔ جنرل عون نے تو فرانس میں سیاسی پناہ حاصل کرلی لیکن ان کی ذہنیت کے حامل عیسائیوں کو شام کی برتری کو تسلیم کرنا ہی پڑا ہے۔

آج لبنان کے عیسائی سیاسی قیادت سے محروم ہیں۔ بہت سے سرکردہ عیسائی ملک سے ہجرت کرگئے ہیں یا موت کی ابدی نیند سوچکے ہیں جس کی وجہ سے وہ لبنان کی سیاست میں یکہ و تنہا ہوکر رہ گئے ہیں۔ لبنان کے عیسائی اپنی اس بدتر حالت کے خود ذمہ دار ہیں۔ طائف معاہدے اور جنگ بندی کے بعد 1992ء کے عام انتخابات کا انہوں نے اس بنیاد پر بائیکاٹ کیا تھا کہ شام کی فوج ہر جگہ موجود ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شامیوں کی موجودگی میں وہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ انہیں اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ ایک نئے قانون کے ذریعے بعض انتخابی حلقوں کی ازسرنو حدبندی کی گئی تھی جس کا مقصد شام نواز امیدواروں کی مدد کرنا تھا۔ ان دو بنیادوں پر انہوں نے احتجاجاً انتخاب میں حصہ نہ لیا جس سے خود ان کا اپنا نقصان ہوا۔ ان جنگ بازوں کا جنہوں نے طائف معاہدے اور انتخابات کے بائیکاٹ کی حمایت کی تھی، اب عیسائی آبادی میں اعتبار نہیں رہا۔ الغرض لبنان کا عیسائی ایک لائق اور قابل اعتماد سیاسی قیادت سے محروم ہے۔

> ان جنگ بازوں کا جنہوں نے طائف معاہدے اور انتخاب کے بائیکاٹ کی حمایت کی تھی، اب عیسائی آبادی میں اعتبار نہیں رہا۔ الغرض لبنان کا عیسائی ایک لائق اور قابل اعتماد سیاسی قیادت سے محروم ہے۔

عیسائیوں کے مذہبی رہنما نصیر اللہ اکرژو بیشتر عیسائیوں کی شکایتوں، محرومیوں اور مسائل پر روشنی ڈالتے یا ان سے حکام کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ عیسائی آبادی میں ان کا اعتبار بھی قائم ہے۔ لیکن ابھی حال ہی میں انہوں نے آگاہ کیا تھا کہ وہ سیاسی قائد نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی سیاسی رول ادا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس لئے ان سے بہت زیادہ توقعات وابستہ نہ کی جائیں۔

> اس صورت حال میں لبنان کے عیسائی کے لئے ایک ہی راستہ کھلا رہ جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ یہ تسلیم کرلیں کہ موجودہ لبنان میں وہ ایک اقلیتی گروپ ہیں اور اب انہیں وہ سیاسی و معاشی مراعات دوبارہ نہیں مل سکتیں جو فرانس نے بغیر کسی قانونی و اخلاقی جواز کے 1920ء میں انہیں دے دی تھی۔

اس صورت حال میں لبنان کے عیسائیوں کے لئے ایک ہی راستہ کھلا رہ جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ یہ تسلیم کرلیں کہ موجودہ لبنان میں وہ ایک اقلیتی گروپ ہیں اور اب انہیں وہ سیاسی و معاشی مراعات دوبارہ نہیں مل سکتیں جو فرانس نے بغیر کسی قانونی و اخلاقی جواز کے 1920 میں انہیں دے دی تھیں۔ اسی کے ساتھ انہیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ شام کے اثرات لبنان میں ہمیشہ باقی رہیں گے اس لئے شام کی مخالفت سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ان دو کڑوی مگر مسلمہ حقیقتوں کے اعتراف کے بعد لبنانی عیسائی ایک ایسی حقیقت پسندانہ پالیسی اختیار کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں جس سے لبنانی سماج میں انہیں ایک قابل عزت مقام حاصل ہوسکے۔

برمی حکومت بغاوت کا الزام لگا کر مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہی ہے

روہنگیا مسلمانوں کو انصاف کب ملے گا؟

برما کے صوبے اراکان میں مسلمانوں کی کافی تعداد پائی جاتی ہے۔ ایک مدت سے برمی حکومت ان مسلمانوں پر

> روہنگیا مسلمانوں کا کہنا ہے کہ انہیں ستایا جا رہا ہے اور جب مظالم کا سیلاب سر سے اونچا اٹھنے لگا تو انہوں نے بنگلہ دیش کی طرف ہجرت اختیار کی۔ بین الاقوامی مبصرین بھی یہی رائے رکھتے ہیں لیکن برمی حکومت الٹا یہ الزام لگاتی ہے کہ روہنگیا مسلمان مغربی ایشیا کی بعض حکومتوں کے تعاون سے ایک علیحدہ ریاست کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔

عرصہ حیات تنگ کئے ہوئے ہے۔ نومبر 1991ء اور مارچ 1992ء کے درمیانی وقفے میں مظالم سے تنگ آکر ہزاروں روہنگیا مسلمانوں نے ہجرت کرکے بنگلہ دیش میں پناہ لی تھی۔ روہنگیا مسلمانوں کا کہنا ہے کہ انہیں ستایا جا رہا تھا اور جب مظالم کا سیلاب سر سے اونچا اٹھنے لگا تو انہوں نے بنگلہ دیش کی طرف راہ ہجرت اختیار کی۔ بین الاقوامی مبصرین بھی یہی رائے رکھتے ہیں لیکن برمی حکومت الٹا یہ الزام لگاتی ہے کہ روہنگیا مسلمان مغربی ایشیا کی بعض حکومتوں کے تعاون سے ایک علیحدہ ریاست کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔

بنگلہ دیش کے مطابق ایک لاکھ کے قریب روہنگیا مسلمانوں نے وہاں پناہ لی تھی جن میں سے نصف سے کچھ کم واپس جا چکے ہیں۔ لیکن اب بھی بنگلہ دیش میں 58 ہزار کے قریب پناہ گزیں موجود ہیں۔ برمی حکومت ان میں سے صرف 16 ہزار کو واپس لینے کے لئے تیار ہے۔ بقیہ 42 ہزار کو لینے سے اس نے انکار کر دیا ہے۔ یہ پناہ گزیں سردست بندریان اور کوکس بازار میں بنائے گئے عارضی کیمپوں میں رہ رہے ہیں جہاں زندگی کی کم ہی سہولتیں میسر ہیں۔

پناہ گزینوں کی آمد کے فوراً بعد بنگلہ دیش اور برما کے درمیان ان کی واپسی اور دوبارہ آباد کاری کے مسئلے پر مذاکرات شروع ہوئے۔ پہلے تو برمی حکومت نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ پناہ گزیں ان کے ملک کے باشندے ہیں ہی نہیں۔ لیکن بین الاقوامی دباؤ کے تحت برما مذاکرات کے لئے امادہ ہوگیا۔ بالآخر ہزار دشواریوں کے بعد ستمبر 1992ء میں بنگلہ دیش اور برما کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا اور اس کے مطابق 22 ستمبر سے ان پناہ گزینوں کی واپسی اور از سر نو آباد کاری شروع ہوگئی۔ لیکن چار مہینے بعد یہ سلسلہ رک گیا کیونکہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پناہ گزیں نے الزام لگایا تھا کہ بنگلہ دیش ان پناہ گزینوں کو ان کی مرضی کے خلاف واپس بھیج رہا ہے

اس الزام کے بعد بین الاقوامی دباؤ بڑھ گیا اور معاہدے پر نظر ثانی کرکے پناہ گزینوں کے لئے اقوام متحدہ کے کمیشن کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا جو ان کی واپسی اور باز آباد کاری کی نگرانی کرے گا۔ لیکن اس کے بعد بھی پناہ گزینوں کی واپسی میں تیزی نہ آئی کیونکہ انہوں نے یہ اصرار کیا کہ بین الاقوامی نمائندے یہ یقینی بنانے کے لئے وہاں ہونے چاہئیں کہ انہیں دوبارہ ستایا نہیں جائے گا۔

> ان پناہ گزینوں کی زندگی پہلے ہی اجیرن تھی۔ برما کے اس انکار اور بنگلہ دیش کے بعض کیمپوں کو بند کرنے کے فیصلے سے ان میں مزید مایوسی پائی جا رہی ہے۔

نومبر 1993ء میں برمی حکومت نے اقوام متحدہ کے پناہ گزینوں سے متعلق کمیشن کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق برما میں پناہ گزینوں کی باز آباد کاری کے علاوہ وہ یہ بھی یقینی بنائیں گے کہ انہیں ستایا نہیں جائے گا۔ اس کے بعد روہنگیا مسلمان تیزی سے اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے۔ بین الاقوامی برادری کے نمائندوں کی موجودگی کی وجہ سے انہیں مظالم کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور آج نسبتاً ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جا رہا ہے۔

لیکن حال ہی میں برمی حکومت نے یہ کہہ کر کہ وہ 42 ہزار کے قریب باقی بچے ہوئے مسلم پناہ گزینوں کو واپس نہ لے گا، ایک بار پھر ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ ان پناہ گزینوں کی زندگی پہلے ہی اجیرن تھی۔ برما کے اس انکار اور بنگلہ دیش کے بعض کیمپوں کو بند کرنے کے فیصلے سے ان میں مزید مایوسی پائی جا رہی ہے۔

پناہ گزینوں سے متعلق اقوام متحدہ کے کمیشن کے ذمہ داروں کا کہنا ہے کہ وہ برمی حکومت کے متعلقہ ذمہ داروں سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس نئے مسئلے کو جلد حل کرلیں گے تاکہ آئندہ دسمبر تک تمام پناہ گزینوں کو برما لے جا کر ان کی باز آباد کاری مکمل کی جاسکے۔ ——

فلسطینیوں کو آزادی ملتے ہی غازہ پٹی کے ساحل پر

حسین اور نیم عریاں رقاصاؤں کی محفلیں جمنے لگیں

ایک طرف وہ غریب فلسطینی ہیں جن کی تفصیل اسی اخبار میں موجود ہے یعنی وہ جو لبنان کے خستہ حال کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو دوسری طرف نو "آزاد شدہ" غازہ پٹی کے بعض فلسطینی ساحل پر ہر روز رنگ و نور کی شام کا لطف اٹھاتے ہیں۔

رنگ و نور سے پر ایک ایسی ہی شام کو غازہ کے ساحل پر بیلی ڈانس کی دو ماہر حسینائیں، ہندہ اور لیالی، اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ جذبات کو مشتعل کرنے والے پیار کے نغموں کی دھن پر وہ ناچ رہی تھیں اور مردوں کی ایک اچھی خاصی بھیڑ ان مختصر لباسوں میں ملبوس حسیناؤں کے رقص و بدن سے محظوظ ہو رہی تھی۔ کتنے تقریباً دیوانے سے ہوگئے، انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور اسٹیج پر پہنچنے کی کوشش کی مگر موقع پر موجود پولیس نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ بعض شرپسند اس رقص و نمائش بدن کی تحسین و تعریف میں اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ایک شخص جو وہسکی پی کر مست تھا، یہ کہتا ہوا سنا گیا کہ "مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ ہمارے ساحل پر بیلی ڈانسر۔ یہ تو تہذیب ہے"۔

ہر ہفتہ واری تعطیل کے دن غازہ کے ساحل پر ہزاروں فلسطینی جمع ہوکر، رپورٹوں کے مطابق، وہسکی نوع بہ نوع پکوان اور بیلی ڈانس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ 27 سالہ اسرائیلی قبضہ کے دوران یہ سب ناممکن تھا کیونکہ راتوں کو کرفیو لگا دیا جاتا تھا۔ پھر جد و جہد کے ان دنوں میں اسلامی آداب پر عمل آوری کی کوشش بھی کی جاتی تھی۔

یاسر عرفات کی آمد کے بعد بھی حماس اور اسلامی جہاد کے کارکنوں کے خوف سے ساحل پر لوگ بیلی ڈانس اور ایسے دوسرے فحش پروگراموں کی ہمت نہ کرتے تھے۔ لیکن حال ہی میں ان دونوں تنظیموں کے رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف عرفات کی کارروائی اور ان میں سے سینکڑوں کی گرفتاری کے بعد مغرب زدہ طبقہ کا حوصلہ بڑھ گیا ہے۔ دراصل حماس اور اسلامی جہاد کے اثر کو کم کرنے کے لئے خود یاسر عرفات اور ان کی نام نہاد حکومت بھی ایسے فحش پروگراموں کو فروغ دے رہی ہے۔ عرفات کی حکومت کے ایک سینئر ممبر نے تقریباً اس پالیسی کا اس وقت اعتراف کر لیا جب اس نے کہا کہ "ساحل پر ان پروگراموں کو دیکھنے والوں کی بھیڑ اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے عوام کس قدر زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں اور یہ کہ حماس اور اسلامی جہاد انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتے"۔

حماس اور اسلامی جہاد کا ردعمل ابھی تک صرف یہ رہا ہے کہ جمعہ کے خطبوں میں یا بعض پمفلٹوں کے ذریعہ لوگوں سے اپیل کی گئی ہے کہ لوگ فحش پروگراموں سے دور رہیں۔ خاص طور سے ایسے وقت جبکہ اب بھی ہمارے بہت سے بھائی اسرائیلی جیلوں میں یا دوسری جگہوں پر کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ایک جمعہ کے خطبہ میں حماس کے ایک ممبر شیخ رمضان سیفی نے آگاہ کیا کہ "اخلاقی زوال صرف جہنم کی آگ ہی تک نہ لے جائے گا بلکہ جلد ہی ہم غازہ میں اسرائیلی بیلی ڈانسرز کی موجودگی، طوائف خانوں اور زناکاری کے بارے میں بھی سنیں گے جن سے ہمارا معاشرہ ابھی تک پاک صاف رہا ہے"۔

لیکن مغرب زدہ فلسطینیوں اور حریص تاجروں پر ان نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔ محدود خود مختاری ملنے کے بعد "عرفات حکومت" کی شہہ پاکر ساحل پر تقریباً 25 ہوٹل کھل گئے ہیں۔ غازہ میں بے روزگاری ساٹھ فیصد سے زیادہ ہے۔ لیکن عرفات کی پولیس اور دوسرے اہلکاروں کو اچھی تنخواہیں ملتی ہیں اور انہیں کی اکثریت ساحل پر شراب و شباب اور کباب سے لطف اندوز ہونے کے لئے جمع ہوتی ہے۔ ——

غازہ پٹی کے ساحل پر لطف اندوز ہوتے فلسطینی

بقیہ یہ سوداگران ملت

جماعتوں کو بابری مسجد کے سلسلے میں اپنا موقف واضح کرنے کے لئے کہا ہے۔ ان کا روئے سخن کس سیاسی جماعت کی طرف ہے۔ کیا اب بھی کسی جماعت کا موقف واضح نہیں ہے؟۔ کتنے معصوم ہیں بھائی جاوید حبیب صاحب۔ یا پھر وہ مسلم عوام کو نرا جاہل اور بے وقوف سمجھ رہے ہیں۔ آخر ملت فروشی کب تک ہوتی رہے گی۔ آپ نے جو یہ بولی لگائی مسجد کی تعمیر نو کے لئے تو اسے آپ صاحب ضمیر لوگوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ انہیں اس کی اہمیت معلوم ہے وہ بنوالیں گے۔ آپ کی یہ بولی فرقہ پرستوں کو قوت پہنچائے گی اور آپ اپنی مفاد پرستی میں انہیں ایک الیکشن ایشو مہیا کریں گے۔

یہ تو بابری مسجد تحریک کے چھوٹے میاں تھے۔ اب بڑے میاں کی بھی سن لیجئے۔ جی ہاں بڑے میاں سید شہاب الدین۔ انہوں نے بھی ایک بیٹھک کر ڈالی ہے۔ انہوں نے بابری مسجد مسئلے کے حل کے سلسلے میں حکومت کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ آپ ذرا بڑے میاں سے پوچھئے وہ کس مسئلے کے حل کی بات کر رہے ہیں، کہیں ان پر ضعف تو طاری نہیں ہے؟ مسجد قائم تھی تو مسئلہ قائم تھا اب مسجد ہی نہیں رہی تو وہ کون مسئلہ حل کرنا چاہ رہے ہیں؟ اس مسئلے کو غلط انداز سے پیش کرنے، غلط طریقے سے ابھارنے والے یہی حضرت ہیں۔ ان کے جذباتی اور غیر دانشمندانہ طرز عمل نے ملت کو ذلت و رسوائی کے یہ دن دکھائے ہیں۔ وہ اس ایشو پر ملت کو یکجا نہ کرسکے تحریک چلانے سے پہلے جو عوامی کام ہونا چاہئے تھا نہیں کیا اور آپ نے اجودھیا مارچ اور یوم جمہوریہ کے بائیکاٹ کی کال دے دی۔ ملت اس کے لئے تیار نہیں تھی نتیجے کے طور پر کال واپس لے لینا پڑا۔ اس کا منفی اثر پڑا۔ لوگوں کو ہماری کمزوری اور بکھرے ہونے کا احساس ہوگیا۔ ہم تو متحد نہ ہوسکے۔ غیر متحد ہوگئے۔ ہم اہل وطن کے سامنے اپنے مسئلے کو صحیح طریقے سے پیش نہیں کرسکے۔ نتیجے کے طور پر ہمیں ناکامی ملی آپ ان سے پوچھیں کہ ملت کی تعمیر و ترقی کے لئے آپ نے کیا کچھ کیا؟ کوئی تعلیمی تحریک چلائی، معاشی استحکام کے لئے کچھ کیا تو جواب نفی میں ہوگا۔ جی ہاں، اور یہ بڑے میاں ہمارے صف اول کے رہنماؤں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

اب تندور میں روٹی کے بجائے انسان پکائے جانے لگ

جولائی کا پہلا ہفتہ دہلی والوں کے لئے انتہائی گرم تھا۔ مانسون کا دور دور تک پتہ نہیں تھا اور سورج کی گرمی سے انسانی جسم پگھلے جا رہے تھے۔ اچانک ایک تندور سے آنچ نکلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی حدت نے نہ صرف دہلی والوں کو بلکہ پورے ملک کے عوام کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ گرمی کا درجہ حرارت اچانک بہت اوپر اٹھ گیا اور تندور کی آنچ نے دہلی والوں کے ذہن و دماغ کو بھی جلانا شروع کر دیا۔ تندور کی آگ میں اتنی گرمی تھی کہ اس کے آگے موسم کی گرمی ماند پڑ گئی اور دہلی والے گرمی کا رونا بھول کر تندور کانڈ کی بربریت پر انگشت بدنداں ہونے پر مجبور ہو گئے۔

جی ہاں! حادثہ ہی کچھ اتنا بھیانک تھا کہ لوگ باقی سب کچھ بھول گئے۔ جب تندور کا استعمال روٹی پکانے کے بجائے انسانی جسم پکانے کے لئے ہونے لگے تو ایسی ہی آنچ نکلتی ہے۔ انسان اتنا درندہ ہو جائے گا کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ شاید یہ انسانی بربریت کا سب سے بھیانک نمونہ

وہ تندور جس میں نینا کو بھونا گیا

ہے۔ انسان اپنا جرم چھپانے کے لئے ایک عورت کی لاش کو بھون ڈالے گا یہ شاید آج کے مہذب دور میں ہی ممکن ہے۔

سوشیل شرما نوجوان کانگریسی لیڈر ہے۔ وہ دہلی پردیش یوتھ کانگریس کا صدر رہ چکا ہے۔ اس کی پہنچ اوپر تک ہے۔ بڑے بڑے نامی گرامی اور قد آور کانگریسی سیاستدانوں تک اس کی نہ صرف رسائی بلکہ دوستی ہے۔ نینا ساہنی بھی کانگریسی لیڈر تھی۔ وہ کانگریس کی اسٹوڈنٹس شاخ این۔ ایس۔ یو۔ آئی اور یوتھ کانگریس میں اہم عہدوں پر فائز رہ چکی تھی۔ اس کی بھی بڑے بڑے سیاستدانوں تک پہنچ تھی یہاں تک کہ وہ راجیو گاندھی سے بھی ملتی رہی ہے۔ سوشیل شرما جس وقت یوتھ کانگریس کا صدر تھا اس وقت ان دونوں میں گہرے مراسم ہو گئے اور تعلقات اتنے آگے بڑھ گئے کہ دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دونوں نے شادی بھی کر لی تھی۔ نینا اپنے والدین کے مکان کو چھوڑ کر سوشیل شرما کے ذریعے فراہم کئے گئے گول مارکیٹ کے ایک فلیٹ میں رہنے لگی۔ کچھ دنوں کے بعد کہانی نے نیا موڑ لیا اور دونوں کے تعلقات میں نہ صرف سرد مہری آنے لگی بلکہ وہ ناخوشگوار ہوتے گئے۔ اطلاعات کے مطابق سوشیل اس کو زدوکوب بھی کرتا اور کہیں جاتے وقت باہر سے فلیٹ کو مقفل کر جاتا۔ نینا کے کچھ قریبی لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسے مار ڈالے جانے کا خطرہ تھا۔

بہر حال اشوک یاتری نواس کے بگیا ریسٹورنٹ کے تندور میں اسے بھوننے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ ایک کانسٹبل عبدالنذیر کنجو نے جائے واردات پر پہنچ کر ریسٹورنٹ کے منیجر کیشو کمار کو گرفتار کر لیا۔ کیشو سوشیل کا دوست ہے اور اس وقت وہ تندور میں مکھن ڈال کر آگ کو تیز کر رہا تھا۔ بتاتے ہیں کہ بگیا ریسٹورنٹ کانگریس کے کچھ بڑے سیاستدانوں کی ایما پر سوشیل کو پکڑے پر دے دیا گیا تھا۔ انگلی پنجاب کے وزیراعلیٰ بے انت سنگھ کی طرف اٹھتی ہے۔ ان کے اثر و رسوخ سے ریسٹورنٹ سوشیل شرما کو دیا گیا تھا۔ لیکن بے انت سنگھ نے اس کی تردید کی ہے۔ اسی اثنا میں مدراس کی ایک زیریں عدالت نے اسے دو ہفتے کی پیشگی ضمانت دے دی تھی جسے مدراس ہائی کورٹ نے رد کر دیا اور پھر دو دن کے بعد شام کو اس نے خود کو مدراس پولیس کے حوالے کر دیا جسے بعد میں دہلی لایا گیا۔ سوشیل کی ضمانت پر اس لئے بھی ہنگامہ تھا کہ عدالت نے ایک معروف تاجر

نینا ساہنی

راجن پلئے کو اسپتال میں بھرتی کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا اور دو دن کے بعد اس کی موت واقع ہو گئی۔

بہرحال تندور کانڈ نے بہت سارے سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ تندور کی آنچ سے بے شمار کانگریسی لیڈروں کو پسینہ آ رہا ہے اور وہ اپنا منہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کانڈ نے سیاست اور جرائم کے چولی دامن کا ساتھ ہونے پر مزید روشنی ڈالی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سفید پوش افراد نہ صرف جرائم کی پشت پناہی کرتے ہیں بلکہ وہ بھیانک جرائم میں ملوث بھی ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سوشیل کو ضمانت دلوانے میں کچھ کانگریسی لیڈروں کا ہاتھ تھا۔ ضمانت دینے والے جج نے اس کی تردید کی تھی۔ سیشن جج ایم گوپال سوامی اس سے قبل بھی کئی مجرموں کو متنازعہ ضمانتیں دے چکے ہیں۔

ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے کہ ضمانت کے پس پردہ کس کی کارفرمائی ہے۔ البتہ نرسمہا راؤ نے سوشیل سے متعلق تفصیلات طلب کی ہیں۔ جن لوگوں پر ضمانت دلوانے کا شبہ ہے ان میں مرکزی وزیر اور کیرالا کے سابق وزیراعلیٰ کے۔ کرونا کرن اور کے۔ وی تھنگا بالو سرفہرست ہیں۔ تھنگا بالو سے راؤ نے پوچھ گچھ کی ہے جس پر انہوں نے اپنا ہاتھ ہونے سے انکار کیا ہے سوشیل کو اشوک یاتری نواس کا بگیا ریسٹورنٹ دلوانے میں بے انت سنگھ کے علاوہ اس وقت کی وزیر مملکت برائے سیاحت سکھ بنس کور کا بھی نام لیا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کے اثر و رسوخ کی بنا پر کسی اور پارٹی نے ٹنڈر نہیں بھرا تھا بے انت سنگھ کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ وہ یوتھ کانگریس کے نیشنل صدر منندر جیت سنگھ بٹا جو کہ بے انت کے مخالف اور راؤ کے بہت قریبی ہیں، کا مقابلہ کرنے کے لئے سوشیل کی سرپرستی کر رہے تھے۔

ذرائع کے مطابق 1994ء میں نرسمہا راؤ نے کرونا کرن کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس کا کام مختلف ریاستی کانگریس کمیٹیوں کے ممبران سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ اس کمیٹی میں آندھرا پردیش کے سابق وزیراعلیٰ وجے بھاسکر ریڈی اور راجیہ سبھا رکن آر۔ کے۔ دھون بھی تھے۔ اس کمیٹی نے دہلی میں کئی میٹنگیں کی تھیں اور سوشیل نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبران سے وفود کو ملوانے میں اہم رول ادا کیا تھا۔

کانگریس ذرائع کے مطابق شرما پر اور کئی قسم کے جرائم کے الزامات ہیں جن میں فساد برپا کرنا، خواتین کے ساتھ بدتمیزی اور چھیڑ چھاڑ کرنا، اپنی شہرت کی بنیاد پر لوگوں سے رقوم اینٹھنا وغیرہ شامل ہیں۔ اسے کرونا کرن سے ملوانے والے آر۔ کے دھون تھے جو بہت دنوں سے سوشیل کو جانتے تھے۔ سوشیل ایک بزنس مین مسٹر پانڈہ کے توسط سے دھون سے ملا تھا۔ پانڈہ کی دہلی میں آٹو موبائل ایجنسی اور کئی شو روم ہیں۔ بعد میں سوشیل نے دھون گروپ کو لات مار کر بھگت گروپ میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد وہ تھوڑے دنوں تک سجن کمار کے ساتھ تھا۔ اس نے دہلی کانگریس کے موجودہ صدر دیپ چند بندھو سے بھی دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ کانگریس ذرائع کے مطابق شرما نے دیپ چند بندھو کو آر۔ کے۔ دھون کے قریب ہونے میں مدد کی اور دھون کو راضی کیا کہ وہ بندھو کا نام دہلی کانگریس کے صدر کی حیثیت سے آگے پیش کریں۔ اور پھر انہیں صدر بنا دیا گیا۔ (واضح رہے کہ اس واقعہ کے چند دن کے بعد بندھو نے سوشیل شرما کو کانگریس سے معطل کر دیا۔) اس کے جواب میں بندھو نے سوشیل کے نام کی سفارش آل انڈیا کانگریس، سیوا دل کی صدارت اور جنوبی دہلی سے ہونے والے پارلیمانی الیکشن میں امیدوار

سوشیل شرما پولیس حراست میں

کے طور پر کیا تھا جو بعد میں ملتوی ہو گیا۔ اسی درمیان یہ واقعہ ہو گیا۔ بندھو کو کچھ دنوں قبل بگیا ریسٹورنٹ میں سوشیل اور کچھ دوسرے لیڈروں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے بھی دیکھا گیا تھا۔

دریں اثنا دھون نے سوشیل شرما سے کسی قریبی تعلق سے انکار کیا ہے ... چھ مہینے سے اس سے ملے تک ... ابھی نہ جانے کتنے سیاستد ... والا ہے اور اب جبکہ اس کی ... مزید چہرے سامنے آئیں گے ... نقاب سرکے گی۔ شاید ... سیاستدانوں پر حاوی ہے ... نام روشنی میں آتا ہے وہ اس ... تعلقات سے انکار کرنے لگ ... حال رہی تو شاید سارے کانگ ... نہ جاننے کا اعلان کر دیں۔ درا ... اتنی بھیانک ہے کہ سوشیل ... والے سیاستداں اس آگ میں ... جل کر بھسم ہو جانے کا خطرہ ...

بہر حال سیاستداں لاکھ انکار ... مجموعی طور پر کانگریس پارٹی ... ہوگی اور الیکشن میں اس کا ... صورت حال سے پوری کانگر ...

دہلی میں موت کی دیوی کا رقص

قتل و خوں ریزی کی مسلسل وارداتوں نے راجدھانی کو غیر محفوظ بنا

آج کل دہلی میں موت کی دیوی رقص کر رہی ہے۔ قاتلوں، غنڈوں اور جرائم پیشہ عناصر کی بن آئی ہے۔ نہ دن کے اجالے میں زندگی کے تحفظ کی ضمانت دی جا سکتی ہے نہ رات کی تاریکی کی۔ نہ گھروں میں سوئے ہوئے لوگ محفوظ ہیں اور نہ ہی کاروں میں چلتی ہوئی سواریاں۔ نہ پیسے والے محفوظ ہیں نہ کنگال و بدحال۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے راجدھانی میں قاتلوں اور غنڈوں کی حکومت ہے۔ یا پھر انہیں کچھ دنوں کے لئے قتل و خوں ریزی کرنے کا پٹا مل گیا ہے۔ غارت گری کی وارداتوں کو دیکھ کر یہ نہیں لگتا کہ دہلی میں قانون کے رکھوالے موجود ہیں۔ اگر ہیں بھی تو شاید سوئے ہوئے ہیں یا پھر اپنی ڈیوٹی پر نہیں ہیں یا پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جرائم پیشہ عناصر سے ان کا دوستانہ ہو اور اگر دوستانہ نہیں ہے تو پھر وہ اتنے نااہل ہیں کہ مجرموں پر نہ تو ان کی نظر ہے اور نہ ہی وہ مجرمانہ سرگرمیوں کو روکنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ پولیس کی زبردست چوکسی اور پولیس کنٹرول روم کی گھومتی ہوئی لاتعداد گاڑیوں کے ہجوم میں قاتل اپنا کام کر جائیں، غنڈے لوگوں کو لوٹ لیں اور گھروں میں گھس کر گھر والوں کو موت کی نیند سلا کر اطمینان سے قیمتی اشیا اور پیسے سمیٹ کر رفوچکر ہو جائیں اور پکڑے بھی نہ جائیں۔

20 جون سے 10 جولائی تک یعنی 21 دنوں میں 23 افراد کا قتل ہو چکا ہے۔ اگر ایک دو دن خاموشی رہتی ہے تو تیسرے چوتھے دن کئی افراد قتل ہو جاتے ہیں، گویا اوسط برابر ہو جاتا ہے۔ امن و قانون کی گراوٹ اور مجرموں کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ پولیس کسٹڈی میں بھی ان کو جوش چڑھ جاتا ہے اور وہ پولیس والوں پر بھی حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود پولیس کمشنر نکھل کمار سنہا فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دلی میں امن و قانون کی صورت حال ابتر ہے۔ خوف و ہراس کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم مجرموں کو پکڑنے کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ وہ بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اور ہم تمام معاملات کو حل کر لیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ اتنے بڑے شہر میں جہاں لوگوں کی اتنی بھیڑ ہو اور لوگ ادھر ادھر آ جا رہے ہوں ایسے واقعات تو ہوتے ہی ہیں۔

جون کے آخری ہفتے میں اکا دکا وارداتیں ہو رہی تھیں کہ 2 جولائی کو نینا ساہنی کیس سامنے آگیا۔ دہلی والے لرز اٹھے کہ تندور میں انسان بھی بھونے جا سکتے ہیں۔ ابھی تندور کانڈ کی بربریت سے نجات بھی نہیں مل پائی تھی کہ قتل و غارت کے واقعات میں بڑی تیزی سے ... ہے کہ جیسے تندور کانڈ سے مجر ... مل گئی ہو، انہیں یہ یقین ہو گیا ... ان کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر ... و خون کی وارداتوں سے رنگ ... وارداتوں کی تفصیل پڑھتے ... داغدار اور خون آلود نظر آنے ... ہوئے کہا نہیں جا سکتا کہ کون ... ۔ پارکوں میں کتنے قاتل گھوم ر ... میں کتنے غنڈے اپنے شکار کی ... نہیں جا سکتا۔

کچھ دنوں قبل اسکولی ... وارداتیں آئے دن ہوا کرتی ... بھیجنے سے لے کر ان کے ...

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون: 6827018

یہ یوتھ کانگریس ہے یا مجرموں کی چنڈال چوکڑی

تندور کانڈ میں دہلی یوتھ کانگریس کے سابق صدر سوشیل شرما کا نام سامنے آنے پر کانگریسی لیڈروں کے جرائم کا ایک دفتر سا کھل گیا ہے۔ خود یوتھ کانگریس کے موجودہ عہدیداران کانگریس صدر نرسمہاراؤ سے جرائم پیشہ افراد کو پارٹی سے نکال دینے کی اپیل کر رہے ہیں، نہ صرف اپیل کر رہے ہیں بلکہ ایسے افراد کی ایک فہرست مرتب کرکے ان کے جرائم کی تفصیل اوپر تک پہنچا رہے ہیں۔ ہر لیڈر سوشیل شرما سے اپنی دوری بنائے رکھنے کے لئے اور یہ دکھانے کے لئے اس کا شرما سے کوئی تعلق نہیں ہے نیز وہ جرائم سے پاک صاف ہے اور نہیں چاہتا کہ پارٹی میں مجرموں کو پناہ ملے، سوشیل کی گرفتاری اور اس کو سزا دلوانے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ایسے لیڈر بھی سوشیل شرما کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں خود جن کا کیریئر داغدار ہے اور جو مختلف مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے ہیں۔

دہلی پردیش کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری برج موہن بھاما نے وزیر اعظم کو ایک فہرست پیش کرکے دہلی یوتھ کانگریس کے 17 عہدیداروں کے خلاف کارروائی کرنے کی اپیل کی ہے۔ اس فہرست میں ان لیڈروں کے جرائم کی تفصیل درج ہے۔ بھاما کا مطالبہ ہے کہ راؤ مذکورہ لیڈروں کو برخاست کرکے پارٹی کو صاف ستھرا بنائیں۔ ان کی رپورٹ میں نئی دہلی ضلع کے ایک بلاک صدر کے بارے میں ہڈ کیرکٹر کا مالک کہا گیا ہے۔ اس کا نام علاقے کے پولیس اسٹیشن میں درج ہے جہاں اسے بدکردار بتایا گیا ہے۔ تھانے کے بورڈ پر اس کی تصویر آویزاں ہے اور اس کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ ایک دوسرے لیڈر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جنوبی دہلی سے میونسپل کونسل کے لئے الیکشن لڑ چکا ہے اور ایک مجرمانہ کیس میں ریلوے پولیس کے ذریعے جیل بھی بھیجا جاچکا ہے۔

دریں اثنا دہلی کانگریس کے دو عہدیدار جنرل سکریٹری شریش تیواری اور نائب صدر مکیش بھٹ نے احمد پٹیل کو لکھے ایک خط میں اپنا استعفی پیش کردیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے اس سے قبل پارٹی کے کچھ لیڈروں پر جو الزامات لگائے تھے، تندور کانڈ نے اس کی صداقت ثابت کردی ہے۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے استعفی دیا ہے کہ پارٹی پر جرائم پیشہ عناصر کا قبضہ ہوگیا ہے۔ مذکورہ عہدیداران نے اپنے خط میں دہلی پردیش یوتھ کانگریس کے موجودہ صدر جگدیش یادو پر بھی مختلف مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگایا ہے۔ ان کے بقول مجرموں سے ان کے بہت اچھے تعلقات ہیں اور انہوں نے ایسے اٹھارہ افراد کو دہلی پردیش یوتھ کانگریس میں مختلف عہدوں پر فٹ کردیا ہے۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ جگدیش یادو نے بھی سوشیل کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ جبکہ یہ حضرت خود ہسٹری شیٹر ہیں۔ ان کے خلاف مجرمانہ نوعیت کے پانچ کیس مختلف تھانوں میں پنڈنگ پڑے ہوئے ہیں۔ ان پر قتل کرنے کی کوشش کا بھی الزام ہے۔ یہ الزام شیخ سرائے میں افغ یں سے مکان خالی کروانے کے تعلق سے ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے گولی بھی چلائی تھی۔ ان کا تعلق مغربی اتر پردیش کے بدنام مافیا ڈی۔پی یادو سے بھی بتایا جاتا ہے۔

منیندر جیت سنگھ بٹا اپنے حواریوں کے ہمراہ

> **یوتھ کانگریس کے موجودہ عہدیداران کانگریس صدر نرسمہاراؤ سے جرائم پیشہ افراد کو پارٹی سے نکال دینے کی اپیل کر رہے ہیں، نہ صرف اپیل کر رہے ہیں بلکہ ایسے افراد کی ایک فہرست مرتب کرکے ان کے جرائم کی تفصیل اوپر تک پہنچا رہے ہیں۔**

نائب صدر کرن پال تنور کے خلاف مہرولی تھانے میں عصمت دری کا معاملہ درج ہے۔ جنرل سکریٹری نریندر سنگھ چوہان اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کی بنا پر کئی بار پارٹی سے برخاست کئے گئے۔ لیکن موجودہ ایگزیکٹیو کمیٹی میں وہ جنرل سکریٹری ہیں۔ سینئر نائب صدر نریندر چوہان جو کہ سوشیل شرما کے قریبی ہیں، پر دریا گنج اور اشوک وہار کے تھانوں میں غیر قانونی طریقے سے رقم اینٹھنے اور ایک لڑکی کے اغوا اور پھر اس کی عصمت دری کا کیس درج ہے۔ جنرل سکریٹری رام کمار سوشیل شرما کے حمایتی کے طور پر پارٹی میں شامل ہوئے تھے۔ وہ موتیا خان کے سابق کونسلر بھی ہیں۔ ان کے خلاف پہاڑ گنج تھانے میں قتل کی کوشش کرنے کا کیس درج ہے۔ سوشیل شرما کے ایک اور قریبی ساتھی سنیل بجاج ہیں۔ یہ سابق جنرل سکریٹری ہیں۔ ان پر الزام ہے کہ انہوں نے ایک سابق ریاستی صدر کی جیپ میں بوٹ کلب سے ایک عورت کا اغوا کیا تھا۔ ان کے خلاف زیادہ تر معاملات پٹیل نگر تھانے میں درج ہیں۔ رویش بھنڈاری کی مداخلت پر انہیں اغوا کے کیس میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان پر فرقہ وارانہ فسادات، سرکاری افسر کو قتل کرنے کی دھمکی، ناجائز قبضوں وغیرہ کا کیس ہے۔

سجاد احمد منا مافیا کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کے خلاف تلک مارگ تھانے میں ایک کیس درج ہے۔ سابق جنرل سکریٹری رام کمار کو پولیس نے بدکردار قرار دے دیا ہے۔ یہ بھی سوشیل کے قریبی ساتھی ہیں۔ ان کے خلاف لاہوری گیٹ تھانے میں جوا خانہ چلانے کا کیس درج ہے۔ نینا ساہنی کی شناخت کرنے والے مطلوب خان بھی سوشیل کے قریبی ہیں۔ پاسپورٹ کے دھندے میں ملوث بتائے جاتے ہیں۔ حوض خاص تھانے میں ان کے خلاف چار سو بیسی کا معاملہ درج ہے۔ اشونی مدگل زمینوں کے دلال اور سوشیل کے ساتھی ہیں ان کے خلاف بھی کئی کیس درج ہیں۔ سریندر وگ سکریٹری پر پیسے اینٹھنے اور دوسرے جرائم کا الزام ہے۔ ان کے خلاف سرسوتی وہار تھانے میں معاملہ درج ہے۔ سابق سکریٹری کرن سنگھ ہسٹری شیٹر ہیں۔ جے بیر سنگھ ناگر پر بھی کئی الزامات ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یوتھ کانگریس کے موجودہ قومی صدر منندر جیت سنگھ بٹا پر بھی بے شمار الزامات ہیں۔ ان پر تمام معاملات چنڈی گڑھ میں درج ہیں۔ جن میں زمینوں پر ناجائز قبضہ، دوسروں کی زمینوں کو ہڑپنے اور پولیس کی مدد سے لاکھوں کی کمائی کرنے کے الزامات ہیں۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ ان کی غنڈہ گردی کا علم نرسمہاراؤ کو بھی ہے لیکن راؤ ان کے خلاف اس لئے کوئی کارروائی نہیں کرتے کہ یہ راؤ کے عوامی جلسوں میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اکٹھا کرکے ان سے ان کا نعرہ لگوادیتے ہیں۔ اسی لئے راؤ کے چہیتے بنے ہوئے ہیں۔

لے دل و دماغ بچوں میں اٹکے رہتے تھے۔ ان واقعات سے قبل معصوم اور نابالغ بچیوں کی عصمت دری کے بے پناہ معاملات ہو رہے تھے۔ اب ایسا لگتا ہے کہ تمام مجرم مشاق قاتل ہوگئے ہیں اور ان کی سرگرمیاں دوسرے جرائم سے قتل و خون کی طرف مڑ گئی ہیں۔

قتل و غارت کی ان وارداتوں میں کچھ بہت ہی بھیانک رہی ہیں۔ 6 جولائی کی رات میں چاندنی چوک کے زیورات کے ایک تاجر، اس کے چچازاد بھائی اور اس کے ڈرائیور کا قتل انتہائی ڈرامائی انداز میں ہوا۔ ابھی رات کے 9 ہی بجے تھے مذکورہ افراد اور دو بچے ایک ماروتی وین میں کہیں جا رہے تھے کہ لیڈی شری رام کالج کے نزدیک ایک لال بتی پر جب یہ وین رکی تو موٹر سائیکل پر کافی دیر سے پیچھا کر رہے قاتلوں میں سے دو گاڑی میں سوار ہوگئے۔ کچھ دور چل کر تینوں بالغوں کو گولی مار کر ختم کردیا گیا البتہ بچوں کو کچھ نہیں کہا گیا۔ قاتل گاڑی کو چلاتے ہوئے نہرو اسٹیڈیم تک آئے اور تقریباً 9 بج کر 20 منٹ پر گاڑی کو بچوں سمیت چھوڑ کر دوسری گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہوگئے۔ اس قتل کا مقصد ڈکیتی بتایا گیا۔

اس واقعہ کے چند گھنٹوں بعد جنوبی دہلی کے ماڈل ٹاؤن علاقے کے ایک تاجر 65 سالہ سریش جین کے گھر میں دو نوجوان گھسے۔ یہ دونوں پہلے

ایک پولیس افسر قتل کی تفتیش کرتے ہوئے

یہاں چوکیداری کیا کرتے تھے۔ گھر میں صرف یہ ضعیف جوڑا ہی رہتا تھا۔ ایک رشتے دار ایک دوسرے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی کے کمرے میں گھسے اور ان پر حملہ کردیا اور گھر کو لوٹ کر فرار ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد سریش جین کو ہوش آیا تو اس نے شور مچایا۔ بعد میں لوگوں نے دیکھا کہ اس کی بیوی کرن جین مر چکی ہے۔

اسی رات مشرقی دہلی کے سواستھیہ وہار علاقے میں ایک دوسرے ضعیف جوڑے پر حملہ کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں 85 سالہ ہری چند چاولہ اور اس کی بیوی 80 سالہ گلاب دیوی کی موت واقع ہوگئی۔ یہاں بھی سامان ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے جس سے پتہ چلتا تھا کہ قتل کا مقصد ڈکیتی ہی تھا۔ اس دن یعنی 6 جولائی ہی کو دو پولیس والے ایک شخص کی شکایت کی جانچ کرنے گریٹر کیلاش کے شیو پرکاش مشرا کے گھر گئے۔ وہ سامنے آیا اور پولیس والوں کو دھمکی دینے لگا۔ پھر بھاگنے کی کوشش کی۔ اس کی گاڑی چالو تھی، ڈرائیور سیٹ پر تھا۔ مشرا گاڑی میں داخل ہوگیا اور اس کے پیچھے پولیس والے بھی کود گئے۔ گاڑی چل پڑی۔ کچھ دیر کے بعد مشرا نے ایک پولیس والے کے پیٹ میں چاقو گھونپ دیا اور اسے گاڑی سے نیچے گرا دیا۔ بالآخر وہ تلک مارگ پر پولیس کے ہاتھوں پکڑا گیا۔

اسی طرح ایک پولیس والا کسی کیس میں مطلوب ایک شخص کو حراست میں لے کر تفتیش کے لئے کہیں لے جا رہا تھا کہ راستے میں اس نے پولیس پر حملہ کردیا۔ پولیس والا بے ہوش ہوگیا مگر مجرم فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا اور پکڑا گیا۔ پولیس والے کو اسپتال میں داخل کردیا گیا جہاں وہ خطرے سے باہر ہے۔

وسطی دہلی کے بازار سیتا رام میں ایک 23 سالہ خاتون ممتا کو مبینہ طور پر اس کے شوہر پدم چند نے مار ڈالا۔ ممتا کے بھائی کا الزام ہے کہ اس کی بہن کا قتل جہیز کی بنا پر ہوا ہے۔ ادھر 10 جولائی کو ایک غلے کے تاجر کو زہر کھلا کر اس سے 55 ہزار روپے لوٹ لئے گئے۔ بعد میں تاجر کی موت واقع ہوگئی۔ قابل ذکر ہے کہ زیادہ تر قتل کی وارداتیں ڈکیتی کی نیت سے کی گئی ہیں۔ یہ بھی قابل ذکر بلکہ افسوسناک ہے کہ ان تمام واقعات میں ابھی محض چند مجرم ہی پکڑے گئے ہیں بقیہ زیادہ تر فرار ہیں۔ پولیس کے بقول وہ بڑی مستعدی سے ان کی تلاش کر رہی ہے۔ بہرحال مذکورہ اعداد و شمار اور واقعات دس جولائی تک کے ہیں۔ یہ اخبار جس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہوگا خدشہ ہے کہ مزید وارداتیں ہوچکی ہوں گی کیونکہ پولیس جس طرح مجرموں کو پکڑنے میں ناکام ہے اس میں خدشات ہی کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ اطمینان کا نہیں۔

اس نئے ہٹلر کی مسلم دشمنی کو دیوانے کی بڑ کہکر نظر انداز کردینا خوفناک حماقت ہوگی

بال ٹھاکرے پورے ملک کو تشدد کی آگ میں جھونک دینے کے درپے

سید علی کی تحریر

ممبیا ہٹلر بال ٹھاکرے نے ہندوتو کے علمبرداروں کو ہدایت کی ہے کہ اب وہ اپنے کو ہندوتو کی تبلیغ تک محدود نہ رکھیں بلکہ اسلام کے خلاف مہم چلائیں۔ عام ہندوؤں کو للکارتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ضرورت پڑنے پر وہ ہتھیار اٹھانے کے لئے تیار ہوجائیں۔ پونا میں ایک کتاب کی رسم اجرا کرتے ہوئے ٹھاکرے نے یہ بھی انکشاف کیا کہ مسلمانوں کو خوش کرنے کی پالیسی کی وجہ سے ملک کی دوسری تقسیم کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے اور اگر ایسا ہوا تو وہ برسر اقتدار وزیر اعظم کو دو ٹکڑے کے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ انہوں نے اپنی زہریلی اور اشتعال انگیز تقریر میں ہندوؤں کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ وہ زمین کے کیڑے کی طرح نہ رہیں بلکہ متحد ہوکر ٹھوس موقف اختیار کریں ورنہ ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا۔

اقتدار کے نشہ میں چور اس ممبیا ہٹلر کا دماغی توازن کافی حد تک بگڑ چکا ہے۔ معقول علاج نہیں کیا گیا تو یقین ہے کہ وہ پورے بمبئی کو اور بالآخر پورے ملک کو تشدد کی آگ میں جھونک دیں گے۔ ان کی بکواس کو دیوانے کی بڑ سمجھ کر اسے نظر انداز کرنا خوفناک حماقت ہوگی۔ یہ شخص اسی لئے اول فول بکتا رہتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ اس ملک میں اس آمر مطلق کو لگام دینے والا کوئی نہیں ہے۔ نہ اس کو قانون کا ڈر ہے نہ حکومت کا۔ نہ وزیر اعظم میں اتنی ملکی غیرت ہے نہ وزیر داخلہ میں قومی حمیت کہ وہ اس اڑیل سانڈ پر ہاتھ ڈال سکیں۔

ملک کی تاریخ میں اتنا بڑا اجڈ، گنوار اور بدزبان کوئی پیدا نہیں ہوا جس کا دن رات اوڑھنا بچھونا مسلمانوں کو گالی دینا ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا اور ان کے خلاف محاذ آرائی رہا ہو۔ یہ شخص حقارت سے مسلمانوں کو کبھی ہرا سانپ تو کبھی لانڈیا کہہ کر پکارتا ہے۔ کبھی ملک بدر کی دھمکی دیتا ہے، کبھی مکمل صفایا کردینے کا دھونس دکھاتا ہے۔ کبھی ان کو ریاست سے نکل جانے کا حکم دیتا ہے، کبھی باہر سے آنے والوں کے لئے پرمٹ کا فرمان جاری کرتا ہے۔ خدا جانے اس ہٹلری دماغ میں کتنے جنگلوں کی درندگی سمائی ہوئی ہے۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے لئے مہاراشٹر کی زمین تنگ کرنا شروع کردیا ہے۔ اقلیتی کمیشن کو توڑ دیا، اردو اکیڈمی کا خاتمہ کردیا، اور یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کا فرمان جاری کردیا ہے۔ تین مہینے کی حکومت میں اس ریموٹ کنٹرول چیف منسٹر نے اتنی تیزی سے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کی ہیں جس کا کسی مہذب جمہوری ملک میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مثال نہ تو مسولینی کے اٹلی میں ملتی ہے نہ جرمن کے ہٹلر میں اور نہ ہی لینن اور اسٹالن کے سوویت دیس میں۔

> **چیف منسٹر نے اتنی تیزی سے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کی ہیں جس کا کسی مہذب جمہوری ملک میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مثال نہ تو مسولینی کے اٹلی میں ملتی ہے اور نہ جرمن کے ہٹلر میں اور نہ ہی لینن اور اسٹالن کے سوویت دیس میں۔**

اتنی اذیت رسانی، اشتعال انگیزی اور مسلم بیزاری سے بھی اس آمر مطلق کو تسکین نہیں ہوئی تو اب اس نے باقاعدہ مسلمان اور اسلام کے خلاف اعلان جنگ کردیا ہے۔ آخر اس شخص نے پونا میں ہندوؤں کو ہتھیار اٹھانے کا حکم کس کے خلاف دیا ہے؟ اور اسلام کے خلاف مہم چلانے کا کیا مطلب ہے؟ یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ اب اگر ملک کی تقسیم ہوگی تو بال ٹھاکرے کے کرتوت کی وجہ سے ہوگی۔ اور مرکزی حکومت کی نااہلی اور چشم پوشی کے سبب ممبیا ہٹلر کا حوصلہ بہت بڑھ گیا ہے۔ لیکن انہیں ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام اتنا کمزور اور پھسپھسا مذہب نہیں ہے جو ٹھاکرے جیسے پدی کے حملہ سے مغلوب ہوجائے۔ اس یہودی ایجنٹ کو آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہئے کہ ایک سوپر پاور نے افغانستان میں ٹانگ اڑائی تھی تو کس طرح اس کا پرزہ پرزہ ہوگیا۔ اس وقت بھی چیچنیا کی ننھی سی ریاست پر چڑھ دوڑا تھا تو مٹھی بھر مسلمانوں نے اپنی بقا اور اسلام کے تحفظ کے لئے جو ہر وہ مردانہ جوہر دکھایا اور روس کی سرحد میں گھس کر ایسا دانت کھٹا کیا کہ روس کو ان کے آگے گھٹنا ٹیکنا پڑا۔ بوسنیائی مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں ظالم سربوں کے ساتھ جس کی پشت پر پوری یورپی برادری ہے کس طرح نبرد آزما ہیں آنکھ کھول کر دیکھو۔ اسلام کوئی ایسا ٹمٹماتا چراغ نہیں ہے جو ہوا کے جھونکوں سے بجھ جائے۔

مسلمانوں کو اب بالکل چوکنا ہوجانے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں پر اور اسلام پر یوں تو اس ملک میں آزادی کے بعد سے، راست اور خفیہ شکلوں میں حملہ ہوہی رہا ہے۔ مسلمانوں کی جان و مال پر حملہ، ان کے معاشی وسائل پر حملہ، ان کی تعلیم اور درسگاہوں پر حملہ ان کی مسجدوں پر حملہ کہاں، اسی کے ساتھ قرآن مجید پر، پرسنل لا پر حملہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم پر بھی حملے جاری ہیں۔ اب یہ حملے زیادہ منظم اور موثر طریقے پر ہونے والے ہیں اور اس کا باقاعدہ آغاز مہاراشٹر میں ہوچکا ہے۔ یکساں سول کوڈ کے لئے فیصلہ کرلیا گیا ہے اور اسلام کے دوسرے محاذوں پر بھی حملے کی تیاری ہورہی ہے۔ اب یہ حملے نظریاتی چھیڑ چھاڑ تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ طاقت اور اقتدار کے زور سے اسلامی شناخت مٹاکر ہندوتو کے غلبہ کی کوشش کی جائے گی۔ یہ منصوبہ مہاراشٹر میں کامیاب ہونے کے بعد اس کا دائرہ ان تمام ریاستوں تک وسیع کیا جائے گا جہاں جہاں اس وقت بی جے پی کی حکومتیں قائم ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اتنی اشتعال انگیز اور فرقہ وارانہ تقریر پر نہ مرکزی حکومت حرکت میں آئی نہ سیکولر نواز پارٹیوں نے اب تک اس کا کوئی نوٹس لیا۔ سب اس طرح خاموش ہیں جیسے یہ ان تمام لوگوں کے دل کی آواز ہو۔
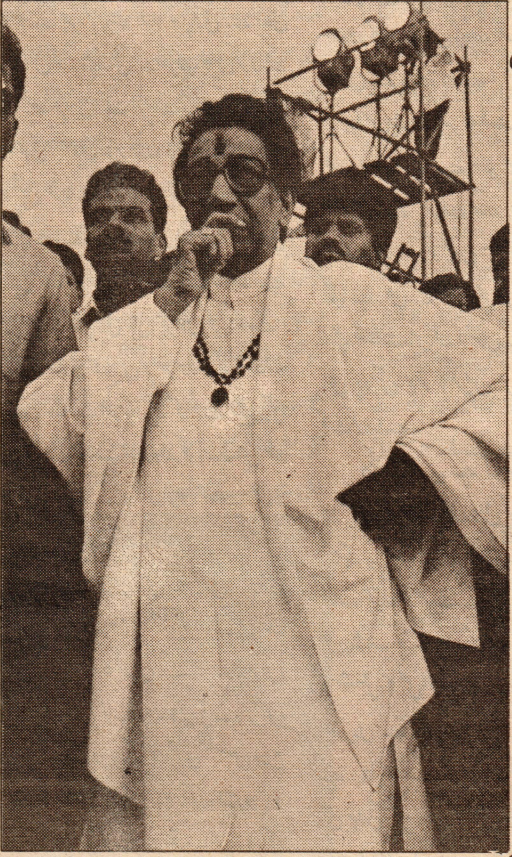
ابھی کوئی عبداللہ یا شہاب الدین، ٹھاکرے کے لہجے میں ذرا بات کرکے تو دیکھے، چاروں طرف سے مارو پکڑو کی آواز بلند ہونا شروع ہوجائے گی۔ حکومت اور قانون بھی حرکت میں آجائے گا، فسطائی اور سیکولر طاقتیں بھی پل پڑیں گی اور قومی میڈیا بھی آسمان سر پر اٹھالے گا لیکن ممبیا ہٹلر کے معاملے میں سب چپی سادھے ہوئے ہیں آخر کیوں؟ کیا اس کیوں کا جواب کسی کے پاس ہے؟

کانگریس کی سو نسلیں جہنم میں جائیں گی۔ ٹھاکرے

ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے 8 جولائی کو باندرہ میں کانگریس اور شیو سینا میں ٹکراؤ ہوجائے گا۔ اس دن شیو سینا کے لیڈر بال ٹھاکرے باندرہ فلائی اوور کا اپنے باپ کے نام پر افتتاح کرنے والے تھے۔ اس سے قبل بمبئی میونسپل کارپوریشن نے اس پل کو سابق وزیر اعظم مرارجی دیسائی کے نام پر رکھنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن گذشتہ دنوں مہاراشٹر حکومت نے اس فیصلے کو کالعدم قرار دے کر اسے بال ٹھاکرے کے پتا پربودھنکر ٹھاکرے کے نام پر رکھنے کا اعلان کیا۔ اس کی مخالفت نہ صرف کانگریس نے شدید انداز میں کی بلکہ بی جے پی نے بھی بمبئی کارپوریشن کے فیصلے کی حمایت کی تھی۔ اور حکومت کے موجودہ فیصلے کے خلاف عدالت میں رٹ داخل کرکے اسٹے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن عدالت نے اسٹے دینے سے انکار کردیا البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ حکومت مرارجی دیسائی کے نام پر پل کا نام رکھنے کو قانونی بنائے۔

بہرحال مہاراشٹر حکومت اپنے فیصلے پر قائم رہی اور 8 جولائی کو بال ٹھاکرے نے 175 ملین روپے میں بننے والے اس چھ سو میٹر لمبے پل کا افتتاح کیا اور اس کا نام اپنے باپ کے نام پر رکھا انہوں نے کہا کہ ہم باقاعدہ تیار ہوکر آئے تھے ہمیں یعنی شیو سینکوں کو یہ امید تھی کہ کانگریسی مزاحمت کرنے آئیں گے لیکن وہ نہیں آئے۔ انہوں نے مرارجی دیسائی کو بھی مغلظات سنائیں۔ اس سے قبل شیو سینا کے اخبارات "سامنا" کے ایڈیٹوریل میں بال ٹھاکرے نے کانگریسیوں اور مرارجی دیسائی کو جی بھر کر گالی دی تھی۔ انہوں نے دیسائی کو "کانگریسی کتا" "قاتل" اور "ویلن" بتاتے ہوئے لکھا تھا کہ اس قاتل نے مہاراشٹر کی آزادی کی جنگ کے دوران گولیاں چلواکر ایک سو پانچ مراٹھی افراد کو قتل کروایا تھا۔ انہوں نے آگے لکھا تھا کہ مہاراشٹر کی نئی نسل کو مہاراشٹر کے قیام کی کہانی اور مراٹھا لوگوں کے لئے پریشانیاں پیدا کرنے والے "کھلنائک کی حرام خوری" سے واقف ہونا چاہئے۔ مرارجی دیسائی کو پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز نشان پاکستان ملنے پر انہوں نے لکھا تھا کہ شاید یہ انعام اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے پاکستان کو ہندوستان کا کوئی اہم راز دے دیا ہوگا۔ کانگریسیوں کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا گیا تھا کہ کانگریسیوں پر مراٹھا عوام کے صبر کا عذاب پڑے گا اور کانگریس کی سو نسلیں جہنم میں جائیں گی۔

بقیہ: کٹھ پتلی حکومتیں

جیوتی بسو کے بیٹے چندن بسو بھی سرکاری امور میں زبردست مداخلت رکھتے ہیں۔ حالانکہ گورکیرت سنگھ پر عصمت دری کا الزام ہے اور وہ جیل بھی کاٹ چکے ہیں اس کے باوجود ریاستی معاملات میں ان کا دبدبہ قائم ہے۔ ادھر راجستھان کے وزیر اعلی بھیروں سنگھ شیخاوت کے داماد نرپت سنگھ بھی اپنے اثر و رسوخ کی بنیاد پر ذاتی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور انہیں ٹوکنے والا کوئی نہیں ہے۔ گویا ریموٹ کنٹرول ایک نہیں کئی ہیں اور کئی ریاستوں کے امور انہی کے ذریعہ انجام پذیر ہورہے ہیں۔

بقیہ: پاکستان میں نیوکلیائی

تک سوئی اور بال بیرنگ تک بھی نہ بنا پانے والے ملک کا پوری دنیا کے لئے ایک یادگار کارنامہ تھا۔ نیوکلیائی تحقیق و ترقی کے میدان میں فرانس، چین اور برطانیہ کے تعاون سے کئی پروجیکٹ بھی یہاں چلتے رہے ہیں۔

کتاب میں آگے چل کر 1988ء کے تین المناک واقعات سے بحث کی گئی ہے۔ یہ سال صحیح معنوں میں سانحوں کا سال تھا مختصر وقفے سے رونما ہونے والے تین واقعات نے گویا پاکستان کو ہلاکر رکھ دیا اور اس کی تاریخ کو موڑ دیا۔ افغان مجاہدین آزادی کو اسلحہ اور بارود اسلام آباد کے جس ڈپو سے فراہم ہوتا تھا اس میں بھیانک آگ لگ گئی اور وہ جل کر تباہ ہوگیا۔ اس کے ایک ہی ماہ بعد یہ ہوا کہ جس شخصیت نے جنیجو کو تین سال قبل بڑے اعزاز و اکرام سے حلقہ اقتدار میں شامل کیا تھا ان کی نیم جمہوری حکومت کا خاصے رسوا کن انداز میں خاتمہ کردیا۔ تاہم صدر ضیاء کی آخری رسوم کے موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ جنیجو نے ان کے تابوت کو کاندھا بھی دیا اور جملہ سوگواران کے ساتھ ان کی قبر پر دو مٹھی خاک ڈال کر شاید کدورت کے ہر باب کو قلم زد کردیا۔ لیکن ان دونوں باتوں سے زیادہ دل شکن سانحہ صدر ضیاء الحق کی موت تھی جو ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہوئے اور نتیجتاً ملک بے یقینی کی صورت حال سے دوچار ہوا۔ 17 اگست 1988ء کو بہاولپور کے قریب بستی لال کمال میں صدر ضیاء کے طیارے کے حادثے میں ان کی موت کے ساتھ اس گیارہ سالہ دور کا خاتمہ ہوگیا جس میں پرتشدد ہنگاموں اور سیاسی افراتفری سے نبرد آزما ہوتے ہوئے ضیاء نے پاکستان کی تقدیر کی تعمیر کی تھی۔ صدر ضیاء سے زندگی کا خراج وصول کرلینے والے فضائی حادثے کے اسباب و عوامل پر آج بھی پردہ پڑا ہوا ہے جن کی تہ میں جانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اور کوشش ہوتی بھی کیوں کر جب کہ بے نظیر انتظامیہ نے اس حادثے کی تحقیقات کی طرف سے خود ہی بے نیازی برتی ہے۔

> **نیوکلیائی ٹیکنالوجی کے ٹھیکیداروں کو یہ بات ہرگز گوارہ نہیں کہ تیسری دنیا کا کوئی مسلم ملک اس میدان میں ترقی کرے۔**

„مسلمان پسماندہ، غیر مہذب، جنگلی، جاہل اور جذباتی افراد کا ایک خوں خوار قبیلہ ہے"

جی ہاں ہمارے قومی پریس کے نزدیک ہماری یہی شناخت اور پہچان ہے

تحریر: ڈاکٹر محمد حسن

یہ کالم ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق مسلم و غیر مسلم دانشوروں کے مضامین کے لئے وقف ہے۔ اس میں مختلف مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ ان مضامین میں پیش کردہ نقطہ نظر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ایڈیٹر)

ہندوستانی مسلمان ایک مہلک سازش کا شکار ہوں یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ آئے دن ہندوستان کے اخبارات میں نہ صرف ان جرموں کی تفصیلات بڑی باقاعدگی سے شائع ہوتی ہیں جن کا الزام یہاں کے مسلمانوں کے سر آتا ہو بلکہ مسلمانوں کی صرف ایک ہی تصویر ہمارا "قومی" پریس قوم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ایک پسماندہ، غیر مہذب، جنگلی، تشدد اور جذباتیت سے بھرپور قبیلہ جسے "مسلمان" کہا جاتا ہے۔ اس کے پس پشت ایک سوال ہوتا ہے کہ اب آپ ہی بتائیے اس قسم کے جاہل اور مشتعل ہجوم سے کیسے نمٹا جائے۔ غرض۔ قلم اور موقلم دونوں دشمن کے ہاتھ میں ہے جو چاہے حکم لکھ دے جیسی چاہے تصویر کھینچ کر رسوا کردے۔ غیر تو غیر اپنے بھی اب اس کے قائل ہوتے جاتے ہیں کہ خود ان کو چھوڑ کر باقی مسلمان واقعی سخت جاہل، غیر مہذب اور جذباتی ہیں۔ ذرا ہمت کیجئے نئے پرانے اخباروں کا پلندہ شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ کچھ آج کا سلسلہ نہیں ہے یوں بھی یہ تقسیم ہند سے پہلے بھی تھا۔ ایک دفعہ ایک بیان میں گاندھی جی نے بھی مسلمان غنڈوں کی دست درازی کا ذکر کیا تھا اور اس پر ہندوستان گیر احتجاج ہوا تھا کہ غنڈوں کے ساتھ مسلمان کی صفت غیر ضروری ہے اور اس کا ازالہ ہونا چاہئے۔ پھر ہندوستان میں یہ احتجاج بھی ختم ہوگیا اور دونوں الفاظ لازم و ملزوم ہوگئے۔

آنکھیں میری۔ باقی ان کا۔

ماضی کے قصے جانے دیجئے۔ حال اور وہ بھی حال قریب کو پیش نظر رکھئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے قومی اخبارات میں کبھی کبھار بھی مسلمانوں کے اس "تعلیم یافتہ" اور "مہذب" افراد کا ذکر خیر تک نہیں ہوتا جو قوم اور ملک کی خدمت کرتے رہتے ہیں اور "بے منت غیر" کرتے رہتے ہیں۔ نام گنوانے لگوں تو یہ صفحہ کم پڑجائے ان میں ڈاکٹر عبدالکلام سے لے کر اظہرالدین تک کے نام آئیں گے جنہیں کبھی بھولے بھٹکے بھی ہمارا قومی پریس کلمہ تحسین سے نہیں نوازتا۔ ہاں البتہ اگر کبھی ڈاکٹر خلیل اللہ کے خلاف کوئی چھوٹی موٹی خبر مل جائے تو اسے اپنی آنکھ کا شہتیر بھلاکر پوری طرح اچھالا جاتا ہے۔

اسی میں ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے کفر کے فتووں کا۔ ان صحافیوں سے کوئی پوچھے کہ حضور، اب آپ کو ان فتووں کی خبر ہوئی ہے جب یہ فتوے ایک طبقہ سرسید احمد خاں سے علامہ اقبال تک سب پر لگا رہا تھا تب آپ اس سے بے خبر تھے اس وقت بھی بے خبر رہے جب حکومت برطانیہ کے خریدے ہوئے مولوی پوری دنیا کے مسلمان رہنماؤں کے خلاف کفر کا فتوی دے رہے تھے نہ کبھی کفر کے فتووں کی کمی تھی نہ اس کے نشانہ بننے والوں کی۔ پھر آج جو بھیانک پبلسٹی سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کو مل رہی ہے اور محمد علوی کے ایک ایک مصرع پر اسٹیٹسمین جیسا اخبار چھ کالم ضائع کر رہا ہے یہ کیوں؟ یہ مسلمانوں کا گھریلو معاملہ ہے اسے انہیں خود نمٹانے دیجئے خدارا آپ اپنا قدم مت اڑائیے۔

اب آئیے دوسری دلچسپی کی طرف۔ ایک دولت مند عرب ہندوستان آیا اور یہاں اس نے ایک مسلمان لڑکی سے کچھ دھوکا دھڑی سے کچھ روپے پیسے کا لالچ دے کر شادی رچائی۔ لیجئے صاحب قومی اخبارات کی چاندی ہوگئی۔ ہر صبح اخبار میں شاہ سرخیاں لگنے لگیں۔ جی، یہ وہی اخبارات ہیں جن میں کسی مسلمان رہنما کے موت کی خبر بھی شائع نہیں ہوتی اور جن میں فسادات میں مرنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی سو میں ایک ہی چھپتی ہے۔

اخبارات یہ اطلاع چیخ چیخ کر ساری دنیا کو دیتے ہیں کہ ہماری حکومت انصاف مدار تو مسلمانوں کی طرف نہایت دیانتدارانہ رویہ اختیار کرتی ہے مگر یہ مسلمان چونکہ خود ہی جاہل، جھپٹ، جذباتی اور پسماندہ ہیں لہذا ذرا ذرا سی بات پر طیش میں آجاتے ہیں۔

تعلیم یہ حاصل کرتے نہیں، روزگار میں جی لگاتے نہیں (کہ اکثر اسمگلر، چور اور کالے دھندے کے لوگ ہیں) لہذا ہم کریں تو کیا کریں۔ علاج انہیں ٹھکانے پر رکھنے کا ایک یہی ہے کہ شیوسینا، آر ایس ایس اور بھارتیہ جنتا پارٹی اور وشو ہندو پریشد وغیرہ وغیرہ کے ذریعے پولیس کی نگرانی میں ان کی وقتاً فوقتاً سرکوبی ہوتی رہے اور ٹاڈا کا ڈنڈا سر پر لٹکتا رہے۔ اور ان کے خلاف استعمال ہونے والے کارتوس سلمان خورشید اور جعفر شریف اور غلام نبی آزاد نامی ہمارے قبضہ میں رہیں۔ اور اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان کے "کالے کرتوتوں" کی تشہیر کرتے رہیں۔

کوئی نہیں پوچھتا کہ بھائی مسلمان تو اس ملک میں اقلیت ہی میں ہیں۔ قاتلوں، غنڈوں اور بدمعاشوں میں ان کی اکثریت کیسے ہوگئی؟ اور اکثریت بھی ایسی اور اتنی کہ روزناموں کی ایک ایک سطر پڑھ جائیے مہینے بھر کے اخبارات میں اگر "مسلمان" وزیروں کے علاوہ کسی مسلمان کا نام نظر پڑجائے تو جرم ہی کے سلسلے میں ہوگا کسی "کار خیر" کے سلسلے میں نہیں۔

کوئی نہیں پوچھتا کہ بھائی مسلمان تو اس ملک میں اقلیت ہی میں ہیں۔ قاتلوں، غنڈوں اور بدمعاشوں میں ان کی اکثریت کیسے ہوگئی؟ اور اکثریت بھی ایسی اور اتنی کہ روزناموں کی ایک ایک سطر پڑھ جائیے مہینے بھر کے اخبارات میں اگر "مسلمان" وزیروں کے علاوہ کسی مسلمان کا نام نظر پڑجائے تو جرم ہی کے سلسلے میں ہوگا کسی "کار خیر" کے سلسلے میں نہیں۔

اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کی تصویر ہمارے پریس میں نظر آتی ہے اور وہ تصویر ہے ایک متعصب، جاہل، تنگ نظر، ظالم اور متکبر قوم کی جو الف کے نام لٹھ سے بھی واقف نہیں اور خود کو سمجھتی ہے سب سے اعلیٰ سب سے افضل، اور تو اور دلی کے پرانے کمشنر صاحب جگ موہن جنہوں نے کشمیر جاکر مسلم دشمنی اور کشمیر دشمنی میں بڑی شہرت کمائی تو اس بیان کے لئے بھی ذمہ دار ہیں کہ مسلمان مزاج کے اعتبار سے دماغی اور ذہنی حیثیت سے بھی ہندوستان کے دوسرے شہریوں سے کم تر ہیں۔ اور بقول شری ملکانی (بی جے پی کے ممبر راجیہ سبھا کے) ہندوستان میں ہونے والے سبھی بلاؤں کے ذمہ دار بھی ٹھہرتے ہیں۔

ان بزرگوں کے نزدیک یہ غلط ہوا کہ مسلمانوں کو پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں روک لیا گیا جو مستقل اس آگے بڑھنے والے ملک میں شوشہ بازی اٹھاتے رہتے ہیں، بلوے کرتے ہیں، فساد برپا کراتے ہیں (یہ اور بات ہے کہ اکثر اشتعال میں آکر اکثریتی فرقے کے لوگ انہی کو قتل کردیتے ہیں اور پھانسی نہیں پاتے یہ اور بات ہے کہ اکثر انہی مسلمانوں کی جائدادیں لٹتی اور بکتی ہیں کہ یہ سدا کے شاہ خرچ اور لکھ لٹ ہیں) لہذا قصہ یہ ہے کہ:

تم ہی قاتل تمہیں مجرم تمہیں منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں خون کا دعوی کس پر

اگر ان فرمودات میں کسی قسم کا شبہ باقی رہ گیا ہو تو ہمارا "غیر جانبدار" "قومی پریس جس پر خیر سے فرقہ پرست قوتوں کا سایہ ہے اس کی تردید میں روز صبح و شام اس کا مداوا کرتا رہتا ہے۔

ہندوستان کی سرحدوں میں کسی کو اس کی فکر نہیں ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کا تدارک ہو اور اس لامتناہی سلسلے کے روک تھام کی کوئی خاطر خواہ تدبیر کی جائے۔ اس وقت جب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں دہلی کے مہرولی علاقے سے کئی مسجدوں کے شہید کئے جانے کی خبر آج ہی اخبار میں چھپی ہے اور اترپردیش کے قصبے سے قبرستانوں پر قبضوں اور ایک فرقے کی "مذہبی کتاب" کے پھاڑنے اور جلانے کی خبریں بھی آج ہی شائع ہوئی ہیں اور ظاہر ہے۔

میرا دل کس نے لیا نام بتاؤں کس کا
میں ہوں یا آپ ہوں گھر میں کوئی آیا نہ گیا

یہی نہیں اجودھیا کی مسجد عدالتی فیصلے سے قبل کس نے توڑی اور اس کے خلاف عدالت عالیہ سے لے کر حکومت وقت تک نے کیا کارروائی کی۔ یہ باتیں راز کی ہیں قبلہ عالم بھی پیتے ہیں۔ اس پر ہمارے قومی پریس کو فکر ہے اور قومی پریس ہی کو کیوں؟ ہماری عدالت عالیہ کو بھی فکر ہے؟ ہاں ہندوستان کی جمہوریت میں رہنے والے آزاد "مسلم" شہریوں کی جان و مال کی نہیں ہے فکر۔ ہے تو ان کی پرسنل لا کی ہے جس کے ماتحت یہ غیر مہذب شہری عورتوں کے حقوق کا مفروضہ استحصال کر رہے ہیں اور جس کے لئے لازم ہے کہ فوری کارروائی کی جائے اور یہ فوری کارروائی اس "فوری" کارروائی سے پہلے ہونی چاہئے جو عدالت عالیہ کے سامنے اجودھیا کے مقدمے کے سلسلے میں واجب ہے۔

اکثریت کے لوگ آزاد ہیں کہ وہ ہندو راج اور ہندوتو کا نعرہ لگائیں اور اس ملک میں بھی ان کی فرقہ وارانہ جماعتیں پابندی کا شکار نہ ہوں۔ یہ فرقہ پرست جماعتیں آج خیر سے حکومت میں شامل ہیں اور ملک انصاف انصاف چیخ رہا ہے۔ سیکولرزم کے الفاظ کے نئے معنی تلاش کئے جارہے ہیں اور ہر قسم کی اقلیتوں کو زور زبردستی سے زیر کرنے کا عمل جاری ہے جو بولے زبان کاٹ لی جائے جو لکھے ہاتھ قلم کرلئے جائیں کہ اب حکومت زور زبردستی کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان کے سیکولر حلقے اس صورت حال کو جوں کا توں قبول کرنے کو تیار ہیں جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہیں کہ وہ اپنے قتل کے محضر پر دستخط کرنے پر آمادہ ہیں یا نہیں؟ یہ بات اب تسلیم کرلینی چاہئے کہ ایسے سیکولر حلقے کی تعداد ہندوستان میں پچھلے دس سال میں اسی تیزی کے ساتھ گھٹی ہے جس طرح فاشسٹ جرمنی میں ہٹلر کے زمانے میں جمہوریت پسندوں کی تعداد گھٹی تھی لیکن یہ ضرور ہے کہ ایسے لوگ اب آواز نہیں اٹھاتے بولتے نہیں لکھتے بھی نہیں مگر ان کے دلوں میں اب بھی جمہوری اقدار کی وسعت باقی ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم بھی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کو رہنما نہیں ملا ہے اور پرانے رہنما ان کے منحرف ہوچکے ہیں۔

ملک کو بچانا ہے تو اس کی صورت صرف یہی ہے کہ ہندوتو کے نام پر فاشزم پھیلانے والی طاقتوں کے مقابلے کے لئے تیاری کی جائے اور اس صف بندی میں اگر کوئی اور آگے نہیں آتا تو اس کا انتظار کرنے کے بجائے خود اقلیتی فرقے کے رہنماؤں میں خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کو پہل کرنی چاہئے کہ پہلا وار ان پر ہوچکا ہے اور دوسرا اور تیسرا وار اور کوئی نہ سہی تو مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کی طرف سے ہوچکے ہیں یہ وار محض ان پر نہیں ہے ملک اور معاشرے کو سمجھنا ہے کہ یہ وار ہندوستان میں جمہوری اقدار پر ہیں اور اگر اس وقت بھی ملک کے صالح عناصر صرف یہ سمجھ کر چپ رہے کہ یہ تو محض مسلم اقلیت پر حملے ہیں تو وہ وقت بہت قریب ہے جب ملک فاشزم کے راستے پر بہت دور تک نکل جائے گا اور سبھی جمہوری قدریں پامال ہوچکی ہوں گی۔

ملک کو بچانا ہے تو اس کی صورت صرف یہی ہے کہ ہندوتو کے نام پر فاشزم پھیلانے والی طاقتوں کے مقابلے کے لئے تیاری کی جائے اور اس صف بندی میں اگر کوئی اور آگے نہیں آتا تو اس کا انتظار کرنے کے بجائے خود اقلیتی فرقے کے رہنماؤں میں خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کو پہل کرنی چاہئے کہ پہلا وار ان پر ہوچکا ہے۔

مراسلات

بہار کی سیاست میں خواتین کا رول

بہار میں 1952ء سے آج تک دس اسمبلی انتخابات میں 150 خواتین ایم ایل اے بنیں جبکہ 461 خواتین میدان میں اتری تھیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ ملک گیر پارٹیوں میں صرف کانگریس پارٹی سے ہی خواتین زیادہ جیت کر آئیں جبکہ سماجی انصاف نابرابری کا دعویٰ ٹھوکنے والی پارٹیوں نے خواتین کو اپنا امیدوار بنانے میں نرم رویہ نہیں اپنایا نہ ہی اس نکتہ پر سنجیدگی سے کبھی غور کیا۔ بایاں محاذ کے اندر بھی خواتین کو امیدوار بنانے کی کوئی روایت نہیں رہی، بھارتیہ جنتا پارٹی اور جن سنگھ نے بھی خواتین کو ترجیح دینا مناسب خیال نہیں کیا دیگر چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جیسے جھارکھنڈ مکتی مورچہ نے بھی محض خانہ پری سے کام لیا ہے۔

خواتین نے بھی شہرت یافتہ پارٹیاں یا نئی قائم ہونے والی پارٹیوں پر صرف بھروسہ نہیں کیا 1952ء سے 1995ء تک 115 سیٹوں پر آزاد امیدوار کے روپ میں لڑیں یہ دوسری بات ہے کہ ان میں سے صرف 3 خواتین ہی کامیاب ہوسکیں۔

عصمت فریدی۔ راجگیر، نالندہ (بہار)

حیدرآباد میں شناختی کارڈ کے لئے ایک اجلاس

گذشتہ دنوں شہر حیدرآباد میں علماء و رہنما و مشائخین کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا جس کا انتظام جناب محمد ہوشدار خاں نے کیا تھا۔ اس میں آندھرا پردیش کے لاکھوں مسلمانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ مردم شماری اور فہرست رائے دہندگان میں اپنے نام درج کروائیں اور خصوصاً مسلم خواتین سے خواہش کی گئی ہے کہ جس طرح حج کے لئے تصویر لی جاتی ہے اسی طرح شناختی کارڈ کے لئے بھی تصویر کھنچوائیں۔ کیونکہ گذشتہ الیکشن میں صرف حیدرآباد و سکندرآباد میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ ووٹرس کے نام غائب تھے جبکہ دیگر اضلاع کا حال خدا جانے۔ اس کے لئے ہمارے رہنما اور ہم خود ذمہ دار ہیں۔

شناختی کارڈ کے اس خصوصی اجلاس میں کارروائی کے آغاز میں مولانا رضوان القاسمی نے کہا کہ مسلمان ہندوستانی ہیں دوسرے درجے کے شہری نہیں ہیں۔ جس طرح دوسرے برادران وطن کو ملک اور ملک کی چیزوں سے استفادہ کا حق حاصل ہے وہی مسلمانوں کو بھی حاصل ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان کی تہذیب و تمدن، تاریخ، صنعت، تعلیم و تجارت میں گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ اور ملک کی آزادی میں علماء اور مسلم قائدین نے اہم اور کلیدی رول ادا کیا ہے۔ مولانا حمیدالدین عاقل حسامی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ تصویری شناختی کارڈس کی تیاری کو اہم فریضہ سمجھنا چاہئے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری جناب رحیم قریشی نے شناختی کارڈ کو سوشل شناختی کارڈ کہا۔ ان کے علاوہ مولانا تقی الدین، کے ایم عارف الدین۔ غیاث الدین بابو خان نے بھی اس کی اہمیت پر زور دیا۔

یوسف غوری۔ حیدرآباد

اردو کے فروغ کے لئے مادھو راؤ سندھیا کی یقین دہانی

وزارت فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند نے حال ہی میں نیشنل کونسل فار پروموشن آف اردو اور ایگزیکٹیو بورڈ کی تشکیل نو کی ہے۔ نئے ایگزیکٹیو بورڈ کا پہلا اجلاس مورخہ 23 جون 1995ء کو منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس کی صدارت بورڈ کے چیئرمین، وزیر فروغ انسانی وسائل مادھو راؤ سندھیا جی نے کی۔ اس اجلاس میں بورڈ کے وائس چیئرمین کے علاوہ کئی ممبران نے بھی شرکت کی۔

وزیر محترم نے اردو زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مجھے آپ سے ایسے مشوروں کی توقع ہے جس سے اردو زبان کی ترقی اور مضبوطی کی راہیں ہموار ہوں گی۔ وائس چیئرمین شاہد صدیقی نے وزیر موصوف اور ممبروں کا استقبال کیا اور کہا کہ یہ تشکیل نو اردو کی ترقی کے لئے ایک فال نیک ہے ہم اور ہمارے کام سے لوگوں کی توقعات بڑھی ہیں اور ہماری ذمہ داریاں بھی بڑھی ہیں۔ اس موقع پر صدر مادھو راؤ سندھیا نے فرمایا کہ ٹیلی ویژن پر جو تعلیمی پروگرام دکھائے جارہے ہیں ان میں اردو پڑھانے کا پروگرام بھی شامل ہونا چاہئے۔ دوسرے سرکاری معاملات پر غور کرنے کے بعد یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

ڈائرکٹر، ڈاکٹر فہمیدہ بیگم نے صدر، سبھی دوسرے ممبران، آفیسروں اور دفتر کے عملہ کا شکریہ ادا کیا۔

ایس۔ اے۔ ایس۔ رضوی ــــ پریس آفیسر

اردو کی گردن پر اسٹے کی تلوار

گذشتہ دنوں حکومت اترپردیش نے اردو کو روزگار سے جوڑنے کی جانب انتہائی اہم قدم اٹھاتے ہوئے پورے صوبے میں بڑے پیمانے پر اردو اساتذہ و اردو مترجمین کی تقرری کی۔ حالانکہ ان آسامیوں کو پر کرنے کے لئے مشروط تقررنامے دئے گئے اور اسٹے کی پیچ کو قائم رکھا گیا جس کے دل شکن نتائج گذشتہ ماہ لکھنؤ ہائی کورٹ شاخ کے فاضل جج اے۔ بی۔ سنگھ کے فیصلے سے واضح طور پر سامنے آگئے۔

اردو مترجمین کے تقرر کے معاملے میں جو سرکاری حکم آیا تھا اس میں تعلیمی لیاقت انٹر اردو یا جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحان "ادیب ماہر" کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اور اس تقرر کے لئے باقاعدہ طور پر ایک تحریری امتحان بھی ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس تقرر کے معاملے میں ایک منتخبہ کمیٹی کے ذریعہ اردو مترجم / جونیر کلرک کا انتخاب عمل میں آیا۔ مگر اس کے باوجود سرکار کا اردو کو روزگار سے جوڑنے کے دعوے پر سوالیہ نشان لگ گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو کو روزگار سے جوڑنا نہیں بلکہ اردو والوں کو بے روزگار کرنا مقصود تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ بہت سے ایسے افراد جو کسی نہ کسی طرح روزگار سے لگے ہوئے تھے اور سرکاری ملازمت کے لالچ میں روزگار چھوڑ کر اردو مترجم کی حیثیت سے ملازم ہوئے تھے۔ اب بالکل بے روزگار اور مقروض ہوگئے نیز ذہنی اذیت میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

ادھر ملائم سنگھ یادو اور مایاوتی اپنے اپنے اسٹیج سے یہ دعوی کرتے رہے کہ انہوں نے اردو کو روزگار سے جوڑا مگر اب جو نتائج برآمد ہوئے وہ ان دونوں رہنماؤں کے دعوے کی قلعی کھولتے ہیں۔ بہرحال اردو کے نام پر اردو والوں کے ساتھ یہ بہت بڑا فریب کیا گیا۔

اس قسم کی بھی اطلاعات ملی ہیں کہ جو افراد انٹر اردو یعنی کہ ہائی کورٹ شاخ لکھنؤ کے فاضل جج کے عبوری حکم کے مطابق اس تقرری کے اہل تھے ان کو یہ کہہ کر برطرف کیا جارہا ہے کہ یہ آسامی جس پر آپ کا تقرر ہوا خالی نہیں ہے۔

دوسری جانب بنارس کے پرتھما، مدھیما وغیرہ کو مکمل طور پر تسلیم کرنا اور جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کو چیلنج کرنا جانبدارانہ فیصلہ ہے۔

سید اویس احمد

دفتر۔ تنظیم اردو مترجمین

18۔ اے مولانا آزاد روڈ، گولہ کنواں،

میرٹھ (یوپی)

نیا انتخاب

گذشتہ دنوں اوکھلا میں اوکھلا بلاک جنتا دل کے ورکرس کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی۔ جس میں موجودہ حالات پر تبادلہ خیال ہوا۔ بعد میں اوکھلا علاقہ کے ممبر اسمبلی پرویز ہاشمی نے بلاک جنتادل کے عہدیداروں کو خطاب کرنے کے ساتھ بلاک آفس کا افتتاح اور عہدیداروں کی تقرری کا بھی کام انجام دیا۔ جمال الدین کو صدر، صلاح اور حشمت اللہ قادری وغیرہ کو نائب صدور، عرفان اللہ انصاری اور صلاح الدین جعفری وغیرہ کو جنرل سکریٹری اور نوید الحق اور وجے کمار وغیرہ کو سکریٹری نامزد کیا۔

جاری کردہ

آفس سکریٹری اوکھلا بلاک جنتادل

اوکھلا، نئی دہلی 25

اصلاحی مضامین دیں

مسلمانوں کی موجودہ پستی و خستہ حالی کے مدنظر معاشی و روحانی تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ لہذا وقتاً فوقتاً آپ لوگ بدعات و غلط رسومات کے خلاف مختصر مضامین و حکایات شائع کیا کریں۔ شب برات اور محرم الحرام کے موقع پر ضرور ان کی نشاندہی کیا کریں۔ علم و ہنر پر زور دیا جائے۔ عربی زبان و ادب کی تعلیم نظرانداز نہ کریں کیونکہ میرا مشاہدہ ہے کہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل عام طلباء و طالبات بھی صحیح قرات نہیں کرتے ہیں۔ مسلمان ہم وطنوں کی نقل میں جہیز کی لعنت سے تباہ و برباد ہورہے ہیں۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ والدین کیوں اپنی اولاد کو پہلے نکاح و طلاق کے قوانین کی جانکاری نہیں دیتے۔ اور شادی کردیتے ہیں۔ آج کی مسلم نسل صرف تین طلاق جانتی ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ عام مسلمین کے گھروں میں عائلی قوانین کی ایک معیاری کتاب بھی نہیں ملتی ہے۔ دوسری چند معیاری دینی کتب بھی ان کے یہاں ملنی مشکل ہے۔

محمد علاء الدین

چترپور (ہزاری باغ)

یکساں سول کوڈ مخالف اجلاس

گذشتہ دنوں جماعت اسلامی سیوان نے آر۔ کے۔ ماڈل اسکول کے احاطے میں ایک سمپوزیم کا اہتمام کیا۔ جس کا عنوان تھا۔ "سیکولرزم اور یکساں سول کوڈ ان انڈیا"۔

اس موقع پر شہر کے مختلف مکتب فکر کے لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ جس میں سی پی آئی، بی جے پی، وشو ہندو پریشد اور کانگریس کے مقامی لیڈروں نے بھی اپنی اپنی باتوں سے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے دلیلیں دیں۔ بعد میں مہمان خصوصی جناب حسیب انصاری صاحب (پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا)، جناب مقصود عالم صدیقی صاحب پورنیہ اور جناب مقبول احمد فلاحی صاحب گورکھپور نے پورے دلائل کے ساتھ اپنی باتیں پیش کیں۔ اخیر میں پورے ہاؤس سے بھی رائے سامنے آئی کہ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں یکساں سول کوڈ کا نفاذ سیکولرزم کے سراسر منافی ہوگی۔ نظامت کی ذمہ داری محترم ماسٹر اعجاز صاحب نے انجام دی۔

نسیم کوثر۔ سیوان (بہار)

آپ کو یہ جواب نہیں دینا چاہئے تھا

"ملی ٹائمز انٹرنیشنل" کا میں شروع سے ہی مطالعہ کررہا ہوں۔ اور میری طرح ہر دینی ذہن رکھنے والے کے لئے سکون قلب کا باعث بنتا ہے جو کہ اسلام کی سربلندی چاہتے ہیں۔

لیکن 15۔1 جون کے تحت آپ نے "آپ کی الجھنیں" کے تحت جو حل پیش کیا ہے وہ شاید مصلحت کے خلاف ہے۔ (میری مراد اس سائلہ کے سوال سے ہے جس سے زنا کا ارتکاب ہوا) اس سوال کے جواب کو پڑھ کر تو ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگوں کو اس کام کے لئے اور دلیر بنا دے گا۔ شاید اس کا اس کالم میں جواب دینا مناسب تھا ہی نہیں۔ بلکہ آپ ذاتی طور سے جواب دیتے۔ علماء سلف کا تذکرہ حکمت کے خلاف تھا۔ سائلہ کو لگے گا کہ یہ غلطی میں کیا بڑے بڑے عالم بھی کرسکتے ہیں۔

محمد کامل رضا

جامعۃ الفلاح

بلریا گنج اعظم گڑھ (یوپی)

فقہی جوابات مناسب نہیں ہوتے

ملی ٹائمز میں فقہی سوالات اور آپ کی الجھنیں کے جوابات غیر موزوں اور غیر ضروری ہوتے ہیں۔ ایسے غیر ضروری اور ناموزوں جوابات کو اتنے بڑے رسالے میں پیش کرنا انتہائی معیوب بات ہے اور پھر آپ کمزور حدیث کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ سوالوں کا جواب مناسب اور وقت کی نزاکت و لوگوں کے حالات دیکھ کر دیے جائیں ورنہ فحش خیالات و فحش جوابات سے پڑھنے والوں کی دل شکنی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد عظیم الدین صدیقی

یادگر (کرناٹک)

اگر آپ حق لکھتے رہے تو

دو ہفتے قبل آپ کا ہفت روزہ اخبار "ملی ٹائمز انٹرنیشنل" نظر سے گزرا۔ پڑھنے کے بعد ایسا لگا کہ گذشتہ کئی سالوں سے بندہ کو جس اخبار کی تلاش تھی وہ یہی ہے۔ اخبار پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آج کل کے پرفتن دور میں آپ جیسے صحافیوں کی ضرورت ہے جو بغیر کسی دباؤ کے صحیح خبر عوام تک پہنچائیں۔ اس لحاظ سے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ آپ کا اخبار مستقبل میں کامیاب و کامران ہوگا۔ اور اس کے پڑھنے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوگا۔ بشرطیکہ آپ اپنے قلم کو ہمیشہ حق لکھنے کے لئے وقف کردیں۔

عبدالمجید۔ ملیح آباد، لکھنؤ

امریکی سفیر اور مرکز کی اعلی سطحی ٹیم کا دورہ کشمیر

کیا کشمیر میں واقعی انتخابات کی فضا ہموار ہے؟

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہو سکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کر رہے ہیں۔

تحریر: امیت پرکاش

وفاقی حکومت کو جب بھی یہ اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ کشمیر میں انتخابات کرانے کے لئے حالات سازگار ہیں تو جنگجوؤں کی سرگرمیاں تیز تر ہو جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو باور ہو سکے کہ ریاست میں حالات ہنوز ابتر ہیں۔ چرار شریف کے سانحے کے بعد صدر راج کی اگلے چھ ماہ کے لئے توسیع جنگجوؤں کی مسلسل بالادستی کا واضح ثبوت ہے۔ امریکی سفیر فرینک وائزنر کی زبان سے کشمیر میں انتخابات کرانے کے سلسلے میں وزیر اعظم کے موقف کی تائید کے رد عمل میں جنگجوؤں نے حال ہی میں کئی امریکی اور برطانوی سیاحوں کے ساتھ چار مقامی صحافیوں کو بھی اغوا کر لیا۔ اغوا کی واردات سے کچھ ہی دن پہلے پرائم منسٹر ہاؤس میں وزیر مملکت بھونیش چترویدی کی قیادت میں اعلی سطحی سرکاری وفد نے کشمیر کا دورہ کیا۔

ذرائع کے مطابق چترویدی نے اس موقف کا اعادہ کیا کہ صوبائی انتخابات سے قبل کسی پیکیج کا اعلان نہیں کیا جائے گا اور پالیسی میں کسی طرح کی ترمیم کا اعلان انتخابات کے موقع پر ہی ہوگا۔ اگرچہ حفاظتی وجوہ سے ابھی کسی تاریخ کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ قیاس یہ ہے کہ صدر راج کی موجودہ مدت کے اختتام سے قبل انتخابات کرائے جائیں گے۔ بہرکیف صوبے کی واحد بڑی پارٹی نیشنل کانفرنس چترویدی کے وعدوں سے مایوس ہوئی ہے اور اس کے سربراہ فاروق عبداللہ کا اصرار ہے کہ انتخابات سے پہلے ہی مجوزہ سیاسی اور اقتصادی پیکیج کا اعلان کر دیا جائے۔ نیشنل کانفرنس کے سابق ایم پی سیف الدین سوز کے مطابق معاہدہ دہلی (1952ء) کی رو سے جموں کشمیر کی حق خود اختیاری کی بحالی کو کسی بھی سیاسی پیکیج کا حصہ بنانا صوبے میں جمہوری عمل کی کامیابی کے لئے ضروری ہے اور اقتصادی پیکیج کی بات اس کے بعد ہی کی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ شیخ عبداللہ اور جواہر لال نہرو کے درمیان ہوئے مذکورہ معاہدے میں موروثی حکومت کا خاتمہ، ریاست کو حق خودارادیت کی ضمانت، ریاست کے باشندوں کو خصوصی شہریت کے حقوق کی برقراری، قومی پرچم کے ساتھ ریاستی پرچم لہرانے، بنیادی حقوق سے متعلق محدود طور پر دستور ہند کی دفعات کی توسیع، ہنگامی حالات میں صدر جمہوریہ اور سپریم کورٹ کے خصوصی اختیارات جیسی نکات شامل ہیں۔ مزید یہ کہ ریاست کا سربراہ یعنی صدر ریاست کا انتخاب پانچ سال کی مدت کے لئے ریاستی اسمبلی کرے گی جب کہ گورنر کو مرکز کی طرف سے نامزد کئے جانے کا طریقہ رائج ہے۔ مجوزہ پیکیج میں شامل نکات اور اس کے نفاذ کے وقت کے بارے میں مختلف اندازے لگائے جا رہے ہیں لیکن یہ بات ضرور ہے کہ کشمیر کے سیاستداں دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک ایسے منشور کا مطالبہ کر رہے ہیں جس کے ذریعے وہ کشمیری عوام اور ہندوستانی حکومت کے درمیان رابطہ کا کام کر سکیں۔ اعلی سطحی وفد کے دورہ کشمیر کے دوران اس کے ساتھ رہنے والے ایک ذمہ دار کے بیان سے یہی تاثر ملتا ہے۔ اس افسر کا خیال ہے کہ حالانکہ کشمیر کے حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی ہے ممکن ہے کہ حکومت وہاں کے حالات کے تئیں لوگوں کے ذہن کو بدلنے میں کامیاب ہو جائے۔ مذکورہ دورہ کو مشترک مفاد پر نظر گاڑے رہنے والی وزارتوں کے متحدہ محاذ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مجموعی طور پر چرار شریف کے قصبے کو مستثنی کر کے وہاں کے سانحہ سے افسردہ کشمیری عوام کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں کہ حفاظتی فوجوں نے وہاں پر آتش زنی کی ہوگی۔ اس افسر کے مطابق ریاست میں دہشت گردانہ سرگرمی ہلکی پڑی ہے اور چونکہ خارجی مدد انہیں مل رہی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر پاکستان غیر کشمیری لٹیروں کو وہاں بھیج رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ بقول افسر مذکور کے فرینک وائزنر نے حریت لیڈروں اور یاسین ملک اور شبیر شاہ سے الگ الگ گفتگو کر کے یہ احساس پیدا کرنے میں مدد دی ہے کہ علیحدگی پسندانہ قیادت عدم اتفاق کا شکار ہے۔

ایک طرف تو حکومت کشمیر میں انتخابات کرانے کی بات کر رہی ہے اور دوسری جانب یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ ضلع اور بلاک کی سطح پر جہاں سے انتخابات کا کام ہونا ہے انتظامی مشینری ٹھپ پڑی ہوئی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

کشمیری خواتین مسلح دستوں کے خلاف مظاہرہ کرتے ہوئے

> کشمیر کے سیاستداں دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک ایسے منشور کا مطالبہ کر رہے ہیں جس کے ذریعہ وہ کشمیری عوام اور ہندوستانی حکومت کے درمیان رابطہ کا کام کر سکیں۔ ایک طرف تو حکومت کشمیر میں انتخابات کرانے کی بات کر رہی ہے اور دوسری جانب یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ ضلع اور بلاک کی سطح پر جہاں سے انتخابات کا کام ہونا ہے مشینری ٹھپ ہوئی ہے۔

کراچی کو بند گلی سے نکالنے کے لئے ضروری ہے کہ

الطاف حسین اور بے نظیر اپنی ذہنیت تبدیل کریں

شاہد ہاشمی کراچی

کراچی اور اس کے حوالے سے ساری قوم جس بند گلی میں ہے، اس سے نکلنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ الٹے قدموں واپسی یا پھر کوئی دھماکہ۔ الٹے قدموں واپسی کا مطلب ہے کہ ایم کیو ایم اور پی پی پی دونوں اپنے موقف میں لچک پیدا کریں، اپنے پیروکاروں یعنی مہاجروں اور سندھیوں کو جذباتیت کے اندھے کنویں سے باہر نکالیں، بقائے باہمی کے لئے دلوں اور ذہنوں کو ہموار کریں۔ یہ بات انہیں اچھی طرح سمجھا دیں کہ دونوں کا مفاد مل کر رہنے میں ہے اور مفاد ہو یا نہ ہو، اس کے سوا ان کے پاس کوئی اور چارہ کار بھی نہیں ہے۔ ایسا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف ایم کیو ایم اپنے اسلحہ برداروں کو پیچھے کرے تو دوسری طرف بے نظیر بھٹو اور عبداللہ شاہ سندھی نیشنلزم میں رچی بسی اپنی ذہنیت تبدیل کریں۔ پیپلز پارٹی کا یہ المیہ ہے کہ اس کے تینوں ادوار سندھی عصبیت اور مہاجر دشمنی کا کھلا اشتہار رہے ہیں۔ آپ کوئی بھی معاملہ اٹھا کر دیکھیں، صاف نظر آئے گا کہ پیپلز پارٹی کراچی کے مسئلہ کو مہاجروں کی شکست و ریخت، ان کو بے دست و پا کر دینے، ان کے پر تراشنے، ان کے زیر اثر علاقوں واداروں کی کٹوتی کرنے ہی کو راہ نجات سمجھتی ہے۔

کراچی کو بند گلی سے نکالنے کے لئے بے نظیر بھٹو پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ چاہیں اور درست طرز عمل اور حکمت عملی اختیار کریں تو دو چار سال ضرور لگیں گے لیکن کراچی دہشت گردی سے پاک بھی ہو سکے گا اور قومی دھارے کے ساتھ مل کر ایک بہتر مستقبل کے لئے برسرکار بھی ہو سکے گا۔ لیکن اس کے لئے اوپر بیان کی گئی احتیاط اور تبدیلی ناگزیر ہے۔ میں نے صدر لغاری سے ایک ملاقات میں یہ کہا تھا اور بار بار کہتا ہوں کہ بے نظیر بھٹو جب تک ایم کیو ایم اور مہاجر کمیونٹی کو الگ الگ سمجھ کر اپنا طرز فکر و عمل از سر نو ترتیب نہیں دیں گی، مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ آپ اپنے تئیں دہشت گردوں سے جس طرح چاہیں نمٹیں۔ یہ آپ کا اور ان کا معاملہ ہے۔ مگر مہاجر کمیونٹی کو عزت و وقار، اعتماد اور اختیار و اقتدار کا قابل لحاظ اور محسوس حصہ دیجئے۔ ان پر رحمت کی بارش بن کر برسے۔ کراچی کی زمین برسوں سے پیاسی ہے۔ لہو کے بجائے اپنائیت، خدمت، حسن سلوک اور عفو و درگزر کی بارش سے یہ پیاس بجھائیے۔ اس میں دو چار سال بھی لگ سکتے ہیں۔

اب معلوم نہیں اس دھماکے سے پی پی پی، ایم کیو ایم، سندھی، مہاجر اور پوری قوم میں سے کون کم اور کون زیادہ مجروح ہوگا۔ لیکن تاریخ کا سفر تو بہرحال آگے بڑھنا ہی ہے۔ سو دھماکہ ضرور ہوگا اور کوئی نہ کوئی دیوار گر کر راستہ دے ہی دے گی۔

آخری بات مہاجر کہلانے والوں سے ہے کہ وہ طے کریں کہ انہیں کیا مطلوب ہے؟ ان کا کیا ہدف ہے؟ پھر اسی کے مطابق جدوجہد کریں اور قربانی دیں۔ نامعلوم راستوں پر سفر، غیر متعین اہداف کے لئے جدوجہد اور کسی مقصود کے بغیر قربانی انہیں بے حال بلکہ بدحال کر دے گی۔ صرف یہ کہنا کہ "بے نظیر مہاجروں کو حقوق نہیں دے رہی" بے معنی و مبہم بات ہے اور اندھیرے میں تیر چلانا ہے۔ متعین بات، واضح، دو ٹوک اور صاف لہجے میں کرنی چاہیے۔

الطاف حسین کہتے ہیں کہ "زمین پر اللہ کے سوا کوئی مہاجروں کا والی وارث یا ہمدرد نہیں"۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے درست ہی کہا ہوگا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس برتے پر وہ پوری مہاجر کمیونٹی کو دوڑائے اور بھڑائے چلے جا رہے ہیں؟ اور اگر اللہ کی تائید و نصرت چاہیے تو اس کے لوازم کب پورے کئے ہیں؟ اللہ ناشکری کی سزا بڑی سخت دیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ "تم شکر کرو گے تو مزید دوں گا اور ناشکری کرو گے تو جان لو کہ میرا عذاب شدید ہے"۔ زمینی حقائق کا ادراک کیجئے۔ قائد تحریک کے بقول "پاکستان میں دو کروڑ بیس لاکھ مہاجر ہیں"۔ ان میں سے بطور مفروضہ اگر نصف کراچی میں ہیں تو بقیہ ایک کروڑ سے زائد مہاجروں کے حال و مستقبل سے کیوں کھیل رہے ہیں؟ آج تو آپ کو بے نظیر کے مقابلے میں نواز شریف، ولی خان اور بہت سوں کی ہمدردیاں حاصل ہیں۔ لیکن کل اگر آپ کی جدوجہد کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمہ کی صورت میں نکلا بھی (مہاجر تحریک کا حاصل اس سے زیادہ کچھ ممکن ہی نہیں) تو اس کے بعد کیا ہوگا؟ سندھی آپ کا پہلے سے زیادہ دشمن ہوگا اور جو نیا راج سنگھاسن جمے گا، چاہے میاں نواز شریف کا ہو یا کسی اور کا، آپ کا اور ان کا ساتھ بھی عارضی ہی ہوگا۔ اس وقت مہاجر قومی دھارے سے بالکل کٹ جائیں گے اور سیاسی و معاشرتی تنہائی ان کے لئے سوہان روح بن جائے گی۔ کوئی مہاجرستان پھر بھی نہ بن پائے گا۔ البتہ اگر مہاجر قیادت اور اہل فکر و دانش طے کر لیں تو مہاجر صوبہ نہ سہی، وفاق کے تحت ایک نیم خود مختار شہری حکومت مل سکتی ہے۔ مگر اس کے لئے بھی سیاسی سوچ اور سیاسی جدوجہد کی ضرورت ہوگی، عسکریت کا وہاں بھی کوئی کام و مقام نہیں۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ مہاجر کمیونٹی اور اس کی قیادت ایسا راستہ اختیار کرے گی۔ کیا چٹانوں سے سر ٹکرا کر لہولہان ہو جانا ہی راہ جنوں کی حتمی منزل ہے؟

> مگر مہاجر کمیونٹی کو عزت و وقار، اعتماد اور اختیار و اقتدار کا قابل لحاظ اور محسوس حصہ دیجئے۔ ان پر رحمت کی بارش بن کر برسے۔ کراچی کی زمین برسوں سے پیاسی ہے۔ لہو کے بجائے اپنائیت، خدمت، حسن سلوک اور عفو و درگزر کی بارش سے یہ پیاس بجھائیے۔ نامعلوم راستوں پر سفر، غیر متعین اہداف کے لئے جدوجہد اور کسی مقصود کے بغیر قربانی دینا نہیں بے حال بلکہ بدحال کر دے گی۔ صرف یہ کہنا کہ "بے نظیر مہاجروں کو حقوق نہیں دے رہی" بے معنی و مبہم بات ہے اور اندھیرے میں تیر چلانا ہے

مناسب رشتے

سنی مسلم خاندان کی دو خوبصورت، چھریرے بدن کی لڑکیاں (عمر 28 سال، قد 162 سینٹی میٹر، 23 سال 165 سینٹی میٹر) تعلیم ایم۔ اے۔ بی ایڈ اور بی۔ اے بی ایڈ جو دلی میں ٹیچر ہیں اور جن کے زیادہ تر رشتہ دار یوروپ میں مقیم ہیں ان کے لئے موزوں رشتے درکار ہیں۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 231)

ایم بی بی ایس، ایم ڈی (فزیولوجی) لڑکی (عمر 27 سال، قد 155 سینٹی میٹر) کے لئے جو سینئر ریزیڈنٹ پریکٹشنر ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ ڈاکٹر کو ترجیح دی جائے گی۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 232)

سنی انصاری گھرانے کی خوبصورت انٹر پاس مطلقہ کے لئے (عمر 30 سال، قد 5 فٹ چار انچ جس کا ایک بچہ ہے۔ موزوں رشتے کی تلاش ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 233)

کونونٹ کی تعلیم یافتہ، سلیقہ مند خوبصورت، گریجویٹ لڑکی (عمر 26 سال، قد 160 سینٹی میٹر) کے لئے خود برسر روزگار ترجیحاً غیر ممالک میں یا فوج / مرچنٹ نیوی میں ملازم نوجوان سے رشتہ درکار ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 234)

اچھے خاندان کی خوبصورت ایم بی بی ایس لڑکی کے لئے جو اس وقت ڈی جی او کر رہی ہے، موزوں رشتہ درکار ہے۔ لڑکی کا تعلیمی ریکارڈ شاندار ہے۔ اس کا انتخاب 1994 کے کمبائنڈ میڈیکل سروس اگزامنیشن میں ہوا ہے اور جلد ہی ریلوے کی سنٹرل ہیلتھ سروس میں اس کی تقرری متوقع ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 235)

خوبصورت گریجویٹ لڑکی کے لئے شیخ سید گھرانے کے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 236)

مغربی یوپی کے متوسط درجے کے مسلم سنی انصاری خاندان کی گریجویٹ لڑکی (عمر 21 سال، قد 165 سینٹی میٹر) کے لئے برسر روزگار اور تعلیم یافتہ لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 237)

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے اردو داں پٹھان خاندان کی تعلیم یافتہ ایم ایس سی فرسٹ کلاس لڑکی کی عمر 27 سال، قد 154 سینٹی میٹر) کے لئے جو سردست یونی میں پی ایچ ڈی کر رہی ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے بھائی سینئر گزیٹڈ آفیسر ہیں۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 238)

سنی انصاری خاندان کی ایم ایس سی بی ایڈ خوبصورت لیکچرر (عمر 26 سال، قد 152 سینٹی میٹر) کے لئے جس کی ماہانہ آمدنی 3800 روپے ہے ترجیحاً یوپی کے خاندان کے لڑکے سے رشتہ کی تلاش ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 239)

سنی شیخ گھرانے کی اسمارٹ اور خوبصورت ایم اے ڈپلوما ان پبلک ریلیشنگ کی حامل کونسلر کی حیثیت سے ملازم لڑکی (عمر 26 سال، قد 160 سینٹی میٹر) کے لئے جس کی ماہانہ آمدنی 3000 روپے ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات متعلقہ تفصیل کے ساتھ تصویر بھی روانہ فرمائیں۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 240)

ذاتی مکان و دوکان کے مالک سنی پٹھان خاندان کے ہائی اسکول پاس لڑکے کے لئے (عمر 30 سال، قد 5 فٹ دس انچ) خوبصورت و نیک سیرت لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ ذات برادری کی کوئی پابندی نہیں۔ غیر ملکی لڑکی کو ترجیح دی جائے گی۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 241)

سنی پٹھان گھرانے کے اسمارٹ، خوبرو ایم اے، بی ایڈ ٹیچر (عمر 28 سال، قد 160 سینٹی میٹر) کے لئے جس کی ماہانہ آمدنی 3600 روپے ہے موزوں رشتہ درکار ہے۔ خواہش مند حضرات تصویر اور متعلقہ تفصیل کے ساتھ مراسلت کریں۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 242)

سنی شیخ گھرانے کے گندمی رنگت کے اسمارٹ ایم اے بی ایڈ لڑکے کے لئے (عمر 34 سال، قد 157 سینٹی میٹر) کے لئے معزز خاندان کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ تفصیل اور تصویر ارسال فرمائیں۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 243)

معزز مذہبی خاندان کے اسمارٹ اور گوری رنگت کی نوجوان (عمر 20 سال، قد 162 سینٹی میٹر) جو بی اے فائنل ایر کی طالب علم ہے، موزوں رشتہ کے لئے اعلیٰ ملازمت سے وابستہ انجینئر / ایم بی اے) کلاس ون آفیسر یا اس کے مساوی مرتبے کے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے والد سینئر سرکاری افسر اور بھائی انجینئر ہیں۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 244)

سنی مسلم خاندان کی کونونٹ کی تعلیم یافتہ خوبصورت ایم بی بی ایس لڑکی (عمر 25 سال، قد 5 فٹ چار انچ کے لئے معزز خاندان کے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 245)

سنی خاندان کی خوبصورت گھریلو لڑکی (عمر 22 سال، قد 5 فٹ تین انچ) جو ایم اے کا پہلا سال پاس کر چکی ہے۔ موزوں رشتہ درکار ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 246)

سنی مسلم گھرانے کی ایم بی بی ایس لڑکی کے لئے ڈاکٹر / پروفیشنل اور صنعت کار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ (رابطہ ملی ٹائمز، بکس نمبر 247)

شرح اشتہار

اس کالم کے تحت شائع ہونے والے اشتہار کی شرح حسب ذیل ہے۔

اندرون ملک فی اشتہار	100 روپے
بیرون ملک فی اشتہار	10 امریکی ڈالر

اشتہارات کی اشاعت کے جواب میں آنے والے خطوط ہم پوری مستعدی سے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک آپ کی خدمت میں ارسال کر دیتے ہیں۔

اشتہار کے ساتھ مطلوبہ رقم "ملی ٹائمز انٹرنیشنل" کے نام بذریعہ ڈرافٹ پیشگی آنا ضروری ہے۔

خلیج جائیے

ہندوستان میں ہماری ایجنسیاں

ملی ٹائمز انٹرنیشنل درج ذیل ایجنسیوں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

مکتبہ اسلامی
بی۔ کے روڈ
لہریا سرائے۔ دربھنگہ

جناب منظور الحسن
چمن گنج۔ کانپور

جناب اے زیڈ خان
نیرنگ بک ڈپو۔ رام پور

تاج بک ڈپو۔ رانچی

فیروز نیوز ایجنسی
مغل پورہ۔ پٹنہ

جناب اشوک جالا
جے۔ بی۔ ایجنسی
سری نگر (کشمیر)

کتاب منزل
سبزی باغ پٹنہ

ظہیر حسن نیوز پیپر ایجنٹ
کشن گنج

شمع بک اسٹال
چوک الہ آباد

انوبک اسٹال
گولہ روڈ، مظفر پور

انڈین نیوز ایجنسی
حمیدیہ روڈ۔ بھوپال

تنگی کے بجائے کشادگی۔ تشدد کے بجائے اخوت اور غلو کے بجائے میانہ روی اپنا کر

امت مسلمہ مغربی تہذیب کا نعم البدل پیش کر سکتی ہے

امت مسلمہ اپنی شناخت پر قائم رہ کر اور اپنے دین کے پیغام پر کاربند رہ کر مغربی تہذیب کا نعم البدل پیش کر سکتی ہے۔ یہ عمل نہ صرف اس امت کے لئے بلکہ پوری انسانیت کے حق میں مفید ہوگا۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ مغربی تہذیب کو بہ یک قلم مسترد کر دیا جائے اور یہ کہ اس کے علمی اور عملی کمالات سے انحراف کا موقف اختیار کیا جائے کہ یہ مادی تہذیب ہے جس کی علمی سطح پست ہے اور افادیت پرستی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے بعض ایسے مثبت پہلو بھی ہیں جن سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مثال کے طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے تطبیقی مظاہر کو ہی لے لیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارا مال ہمیں ہی واپس کیا جا رہا ہے اس کی بنیاد ہماری ہی تہذیب پر رکھی ہوئی ہے لیکن آج اس نے لمبی جست لگا کر مغربی سائنس کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ معاملات زندگی، بحسن و خوبی تنظیم و تربیت میں بھی آج مغرب نے بہت ترقی کر لی ہے۔ اسی طرح معاشرے کے فرد کی حیثیت سے انسان کے حقوق کے تحفظ میں بھی مغرب کو نمایاں مقام حاصل ہے کیونکہ اس نے انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے عملی اقدامات کئے ہیں تاکہ برسر اقتدار قومیں افراد کا استحصال نہ کر سکیں۔ یہ بات مغربی جمہوری سیاست کے روشن پہلوؤں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ ہماری تہذیب کے دامن میں چاہے وہ تمام چیزیں موجود ہوں جو ہمیں کسی اور طرف دیکھنے سے بے نیاز کر دیں پھر بھی دوسری قوم کے ان طریقوں کو اخذ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے ہمارے مفادات کا تحفظ ہوتا ہو۔ غرضیکہ اغیار کی تہذیب کے یہ ایسے پہلو ہیں کہ ان کی طرف سے ہمیں چشم پوشی اور اجتناب نہیں برتنا چاہئے بلکہ ہمیں یہ کرنا چاہئے کہ اس امکان پر غور کریں کہ ہم ان کی تہذیب کے کن عناصر کو قبول کریں کہ حذف و اضافہ اور ترامیم کے عمل سے گزر کر اور ہماری اقدار سے ہم آہنگ ہو کر ہمارے گرد و پیش کا جز بن جائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے معاملات زندگی مثلاً نکاح اور تجارت کی مضاربانہ شکل، سزا میں دیت کا اصول وغیرہ کے لئے بعض ایسی شرطیں اور پابندیاں مقرر کر دیں کہ ان کی مضرت جاتی رہے اور بالفعل وہ اسلامی اصول بن جائیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اپنی پڑوسی قوموں کی تہذیب میں جو کام کے عنصر دیکھے انہیں اپنے اندر ملا لیا اور ان سے فائدہ اٹھایا اور ان عناصر پر اپنی تہذیب کے نقش بھی چھوڑے۔

> ہماری تہذیب کے دامن میں چاہے وہ تمام چیزیں موجود ہوں جو ہمیں کسی اور طرف دیکھنے سے بے نیاز کر دیں پھر بھی دوسری قوم کے ان طریقوں کو اخذ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے ہمارے مفادات کا تحفظ ہوتا ہو۔

دوسری شرط کا تعلق اس نعم البدل سے ہے جو یہ امت اسلام پر کاربند رہ کر اور اس کے تہذیبی پیغام کے فروغ کے ذریعے حق کی روشنی کو ترستی ہوئی دنیا کے سامنے پیش کر سکتی ہے۔ اس ضمن میں لوگوں کے دو زمرے ہیں۔ پہلا زمرہ ان افراد پر مشتمل ہے جو اسلام کی تفسیر و تعبیر کرتے ہوئے مغربی تہذیب کا ہی چربہ عربی میں اتارنے پر مصر رہتے ہیں۔ ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ مغربی تہذیب اور اس کے مظاہرات تصورات کو من و عن اپنے اوپر منطبق کر لیں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ ہیٹ اتار کر اس کی جگہ عمامہ سر پر رکھ لیتے ہیں اور ظاہری طور پر عرب شیخ بن کر مغرب نے جو خلفشار ہمارے اندر پھیلایا ہے اس کے لئے شرعی جواز فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ مزید یہ کہ ان کی پیش کردہ اسلام کی تشریح مغربی تصورات و اقدار کا ہی اثبات ہوتی ہے جس کے لئے نصوص قرآنی کو بھی کھینچ تان کر دوسرا رنگ دے دیا جاتا ہے۔ یہ عمل اسلام میں زبردستی تحریف تو ہے ہی اس کے ساتھ ہی اہل مغرب کو اسلام کے نور ہدایت سے محروم رکھنے کی سازش بھی ہے کیونکہ اس طرح انہیں اپنی انتشار زدہ تہذیب کے نعم البدل کے بجائے اسلامی لباس میں لپٹی ہوئی مغربی روح ہی مل پاتی ہے۔ اور وہ اسلام کی طرف سے بدگمانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس کے برعکس دوسرے زمرے کے افراد اسلام کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ اس پر کسی بدہیئت مظہر کا شائبہ تک نہیں آنے پاتا۔ یہ طریقہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء، صحابہ اور صلحاء کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کا مقصد لوگوں کے لئے تنگی کے بجائے آسانی اور کشادگی پیدا کرنا ہوتا ہے، نفرت انگیزی کی جگہ حسن معاشرت کو عام کرنا ہوتا ہے، تشدد نہیں بلکہ یگانگت اور اخوت کو فروغ دینا ہوتا ہے، ایک دوسرے کو متصادم کرانا نہیں بلکہ متعارف کرانا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے طریقہ کار کی بنیاد لینے پر نہیں دینے پر، تقلید پر نہیں اجتہاد پر، جمود پر نہیں تجدید پر، غلو اور مبالغہ پر نہیں میانہ روی پر ہوتی ہے۔

اسلام قائم ہے ایسے عقیدے پر جس کی روح توحید ہے جو اپنی جگہ اخلاص، خیر، عدل، اخوت کی متقاضی ہے جن کے مجموعی نتیجے کی صورت میں متوازن اور متکامل تہذیب تشکیل پاتی ہے۔ اسلام نہ صرف ہمارے لئے بلکہ پوری انسانیت کے لئے ذریعہ نجات ہے اس میں ایسی صلاحیت ہے کہ ہماری تہذیب کے سفینے کو غرق ہونے سے پہلے بچا لے۔ پس ہم خود کو ٹٹولیں کہ کیا ہم اسلام کے صحیح عقیدے کو اختیار کر کے اس کے پیغام کو فروغ دے کر اسے ایک صالح طرز حیات کی حیثیت سے برت کر امت مسلمہ میں اس کا مطلوبہ کردار ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

> ہم خود کو ٹٹولیں کہ کیا ہم اسلام کے صحیح عقیدے کو اختیار کر کے اس کے پیغام کو فروغ دے کر اسے ایک صالح طرز حیات کی حیثیت سے برت کر امت مسلمہ میں اس کا مطلوبہ کردار ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ایسی صورت میں شوہر پر نان و نفقہ کی ادائیگی واجب نہیں

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جوابات

سوال :— اگر کوئی مسلمان عیسائی ملک میں رہ رہا ہو اور خود کو گناہ سے محفوظ رکھنا چاہے تو کیا کتابیہ سے شادی کرنے کی اسلام اجازت دیتا ہے ؟

جواب :— کتابیہ سے شادی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ عفیفہ ہو اور فحاشی سے دور ہو کیونکہ اللہ نے اس صورت میں کتابیہ سے شادی کو مباح قرار دیا ہے اور اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے کی بھی اجازت دی ہے۔ تاہم اس دور میں کتابیہ سے شادی کرنے میں بہت سی برائیوں کا خطرہ ہے۔ کیونکہ وہ مرد کو بھی اپنے مذہب کی طرف لے جائیں گی اور اس شادی سے ہونے والی اولاد عیسائی مذہب اختیار کرے گی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہر ممکن کوشش کی جائے کسی مسلمہ کو شریک حیات بنانے کی۔ لیکن اگر ایسی اشد ضرورت پیش آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے بس اس کا خیال رکھا جائے کہ وہ شوہر کو یا اس کے بچوں کو اسلام کی راہ سے ہٹا نہ دے۔

سوال :— کیا کسی لڑکی یا عورت کے لئے جائز ہے کہ اس سے شادی کے خواہاں مرد کے سامنے بن سنور کر اور خوشبو لگا کر آئے ؟

جواب :— جب تک کسی لڑکی یا عورت کا عقد نکاح نہیں ہو جاتا وہ مرد کے لئے اجنبی ہی رہتی ہے۔ اس کی حیثیت عام عورتوں جیسی ہی رہتی ہے۔ ضرورت کے تحت یہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسے نظر بھر دیکھ لے لیکن اس طرح کہ ان دونوں کے درمیان قربت نہ ہونے پائے اور نہ ہی وہ مرد کے سامنے بن سنور کر نکلے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شادی کا خواہاں مرد دوبارہ بغیر میک اپ کے اسے دیکھے گا تو اس کا ارادہ بدل سکتا ہے۔ یہ دیکھنا بھی اس طرح ہو کہ مرد عورت کے چہرے، پیر، سر، گردن وغیرہ پر نظر ڈال لے۔ اس سے تنہائی میں گفتگو نہ کرے اور اگر مختصراً کوئی بات پوچھنی ہو تو براہ راست نہ پوچھی جائے۔ جہاں منگنی کا رواج ہے یعنی پہلے منگنی ہوتی ہے پھر شادی تو منگنی ہو جانے کے بعد دونوں کا ملنا جلنا جائز نہیں ہے کیونکہ شیطان دونوں کے تعاقب میں رہتا ہے کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو دونوں کے گھر والوں کی رسوائی ہوتی ہے۔

سوال :— ایک عورت معلمہ کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ جب اس کی شادی طے ہوئی تو اس کے شوہر نے یہ شرط رکھی کہ چاہے جیسے بھی حالات ہوں وہ اپنی ملازمت شادی کے بعد ترک کر دے گی اور وہ اپنی پرانی نوکری پر واپس جانے کی ضد کبھی نہیں کرے گی۔ عورت کے گھر والے بھی اس پر متفق تھے۔ لیکن شادی کو دو ماہ ہی گذرے تھے کہ وہ اپنے دعوے سے پھر گئی حالانکہ اس کے شوہر کی مالی حالت شادی سے پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اور اطمینان بخش ہے۔ وہ عورت اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے عزیزوں کے ساتھ رہنے لگی ہے اور پھر سے ملازمت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اس کے اس طرح چلے جانے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے اور کیا ایسی حالت میں شوہر پر کسی نفقہ کی ادائیگی واجب ہے باوجود اس کے کہ وہ شوہر کے گھر کے سوا کہیں اور رہتی ہے حالانکہ شوہر بار بار اس سے کہتا ہے کہ وہ غیروں کے بجائے اس کے ساتھ رہے ؟

جواب :— نکاح کے لئے جو شرطیں طے پائی تھیں ان کی تکمیل لازم ہے اگر ان سے شریعت کی مخالفت سرزد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو شرط اور دعوے پر پورا اترنے کی تلقین کی ہے۔ جب شوہر مذکور نے اپنی بیوی کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ کام نہیں کرے گی تو وہ شرط اپنی جگہ پر درست تھی کیونکہ اس کا اپنے لئے کسی مشغلے کا انتخاب کرنا تو ذاتی حق تھا۔ لیکن جب وہ اپنی مرضی سے اس سے دست بردار ہو گئی تو ملازمت پر دوبارہ جانے میں وہ عورت حق بجانب نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جو سوال کے اندر بیان کی گئی ہے شوہر پر نفقہ یا کسی اور حق کی ادائیگی واجب نہیں ہے کیونکہ وہ زوجین کے درمیان طے شدہ شرط کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئی ہے

> جب شوہر مذکور نے اپنی بیوی کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ کام نہیں کرے گی تو وہ شرط اپنی جگہ پر درست تھی کیونکہ اس کا اپنے لئے کسی مشغلے کا انتخاب کرنا تو ذاتی حق تھا۔ لیکن جب وہ اپنی مرضی سے اس سے دست بردار ہو گئی تو ملازمت پر دوبارہ جانے میں وہ عورت حق بجانب نہیں ہے۔

سوال :— میرے والد ایک ماں سے چار بھائی ہیں۔ میرے سب سے چھوٹے چچا کی عمر مجھ سے تقریباً دس سال زیادہ ہے اور ان کی ماں نے مجھے مختلف اوقات میں پورے پانچ چسکی دودھ پلایا تو کیا ان چچاؤں کی لڑکیوں سے شادی کرنا میرے لئے حرام ہو جائے گا یا میرا کوئی بھائی چچاؤں میں سے کسی کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے ؟

جواب :— سائل رضاعت کے رشتے سے اپنے بھائیوں کی بیٹیوں کا چچا ہوا کیونکہ اسے چچاؤں کی ماں نے دودھ پلایا اس لئے وہ ان کا بھائی ہو گیا۔ اور اس لئے ان چچاؤں کی تمام بیٹیوں کا چچا بھی ہو گیا۔ اب اس کے لئے یہ جائز نہ ہو گا کہ وہ اپنی چچاؤں کی بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ شادی کرے۔ جہاں تک اس کے بھائیوں کا سوال ہے تو وہ اس کے چچا کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں کیونکہ سائل کے بھائیوں اور چچا کی لڑکیوں کے درمیان محرمیت حائل نہیں ہے۔ نہ نسب کے اعتبار اور نہ ہی رضاعت کے اعتبار سے۔ کیونکہ رضاعت صرف اس شخص اور اس کی ذریت پر اثر انداز ہوتی ہے جس نے دودھ پیا ہو اور اس کے عزیز و اقارب پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

الیکٹرو میگنیٹ ووٹنگ مشین، اسپیڈ ڈیٹکٹر اور سوٹ کیس الارم

ایک مفلوج شخص کے بنائے ہوئے یہ آلات آج نہیں تو کل ہماری زندگی میں انقلاب برپا کریں گے

کہا جاتا ہے کہ ذہانت اور غربت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آندھرا پردیش میں کڑپا کے قریب پروداتور کا باشندہ ادھیڑ عمر کا بہادر اس رشتے کو پوری طرح نبھا رہا ہے۔ پہلے وہ مدانور تھرمل پاور اسٹیشن میں پچیس روپئے یومیہ کا ملازم تھا جس سے اپنی بیوی اور گود لی ہوئی بیٹی کی ضروریات پوری کرتا تھا لیکن فالج کا حملہ ہونے کے بعد اس قلیل آمدنی کا سلسلہ بھی بند ہوگیا۔ اب وہ اسپتال سے واپس آچکا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے بٹن بھی نہیں لگا سکتا۔ تاہم انسانوں کو عموماً شکست دے دینے والی جسمانی معذوری بہادر کے حوصلے پست نہیں کرسکی ہے۔ اسکول کے بچوں جیسے جوش کے ساتھ وہ اپنی بنائی ہوئی چیزوں پر جھکا ہوا ان کا بغور جائزہ لیتا رہتا ہے۔ یہ وہ خود کار کھلونا نما آلات ہیں جو اس نے اپنی خلاقانہ صلاحیت کو بروئے کار لاکر بنائی ہیں۔ اس طرح کے درجنوں آلات اس کے پاس ہیں مثلاً گانے والی تکیہ جو بے خوابی کے عارضہ میں مبتلا شخص کو بھی نیند کی آغوش میں لے جائے گی۔ سپر ریموٹ کلاک جو اپنے مالک کو موسیقی کی دھن پر سپر بھالم (صبح بخیر) کہہ کر بیدار کرتی ہے اور ایک سپر ریموٹ آلہ جس کی مدد سے آپ اپنی خواب گاہ میں لیٹے ہوئے دیکھ سکتے ہیں کہ پودوں میں پانی ڈالا جارہا ہے یا نہیں۔

جس شخص نے باقاعدہ اسکول میں تعلیم مکمل نہ کی ہو ایسی چیزوں کا بنا لینا یقیناً قابل ذکر کارنامہ ہے۔ بہادر کو جتنے دن بھی اسکول جانے کا موقع ملا اس کے ذہن میں نئے نئے خیالات جیسے ابلتے رہتے تھے اور اگرچہ اس کے نمبر کبھی اچھے نہیں آئے لیکن اپنی ایجادات کے شوق سے متعلق کتابیں وہ بڑی لگن سے پڑھتا تھا۔ آج بھی اسی زمانے کی الماری میں رکھی ہوئی کتابیں اس کے زرخیز ذہن کو جلا بخش رہی ہیں۔ ایسا نہیں کہ اس کی الماری میں مختلف چیزیں بنانے کا طریقہ سکھانے والے عام میگزینوں کا انبار ہو بلکہ ان میں اصول طبیعات سے لے کر ریڈیو سازی تک کی کتابیں مل جائیں گی۔

ان کتابوں کے اوراق الٹتے ہوئے گویا بہادر کے ذہن کے تمام گوشے ایک دم روشن ہوجاتے ہیں اور وہ ایک مختلف دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اسے لوگوں سے بات چیت کرنے کا بھی ہوش نہیں رہتا اور ملنا جلنا تو بڑے دور کی بات ہے۔ اس کی یہی خوابیدہ کیفیتیں غالباً فالج کے حملے کا سبب بنیں۔ بہادر کی ساس کا کہنا ہے کہ اس نے یہ سوچ کر اپنی بیٹی کا ہاتھ بہادر کو دیا تھا کہ اس میں بلا کی ذہانت ہے اور نئی نئی چیزوں کو جاننے کا شوق بھی لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ زیادہ تر خواب کی دنیا میں رہتا ہے۔ بہادر خاموشی سے یہ سب باتیں سنتا ہوا محظوظ ہوتا رہتا ہے۔

بہادر یکے بعد دیگرے مختلف آلات بناتا رہا ہے لیکن انہیں بیچنے کی صلاحیت سے محروم ہے اور خاندان کی گزر اوقات بیوی کی معمولی آمدنی پر ہے جو سلائی کرکے اسے ملتی ہے۔ اس نے بہت سے مینوفیکچروں سے رابطہ قائم کیا ہے لیکن کوئی اسے رائلٹی دینے پر تیار نہیں۔ ایماندار مینوفیکچر کی تلاش کے ساتھ ساتھ اس کا شوق ایجاد بھی بڑھتا جارہا ہے۔ جرائم کے نت نئے واقعات کو سن کر بھی اس نے بعض چیزیں بنائی ہیں۔ جب اس نے انتخابات میں دھاندلی کے بارے میں پڑھا تو 1985ء میں الیکٹرو میگنیٹک ووٹ کاؤنٹنگ مشین بنائی جس سے ایک بار ووٹ دینے کے بعد دوبارہ ڈالنے والے کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بیلٹ باکس چرانے کی کوشش بھی اس آلے سے ناکام بنائی جاسکتی ہے۔

دوران سفر لوگوں کا سامان کھوجانے کی وارداتوں نے بہادر کے ذہن کو الارم سوٹ کیس بنانے کی ترغیب دی اس کی درجنوں ایجادات کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ وہ سب عام آدمی کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی ہیں اور قیمت بھی ان کی ایسی نہیں کہ گراں گذرے۔ الماری میں لگنے والا الارم صرف پچاس روپے کا ہے جو چور کا ہاتھ لگنے پر مالک یا پڑوسیوں کو خبردار کردیتا ہے۔ بانی اسپیڈ ڈیٹکٹر خصوصاً اسٹیٹ ٹرانسپورٹ بسوں کے ڈرائیوروں کو رفتار کی حد میں رکھنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی اسپیڈ کنٹرول کرنے والے تالے ان میں لگتے تھے لیکن باسانی انہیں ناکارہ بنادیا جاتا تھا۔ بہادر کے آلے میں الارم اور کیلکولیٹر دونوں چیزیں فٹ ہیں۔ اسپیڈ کی حد سے نکلتے ہی الارم بجنے لگے گا اور وہ کیلکولیٹر میں ریکارڈ ہونے لگے گا۔ ڈرائیور الارم کو تو نظرانداز کرسکتا ہے، کیلکولیٹر کے ریکارڈ کو نہیں۔ اس طرح چور کی پہنچ سے گاڑی کو محفوظ رکھنے والے آلے کو بہادر نے گاڑی بندھن کا نام دیا ہے اس کی قیمت 300 روپئے ہے۔ یہ ایک طرح کی زنجیر ہے جو گاڑی میں باندھ کر ایک ساکٹ سے جوڑ دی گئی ہے۔

> بہادر کے آلے میں الارم اور کیلکولیٹر دونوں چیزیں فٹ ہیں۔ اسپیڈ کی حد سے نکلتے ہی الارم بجنے لگے گا اور وہ کیلکولیٹر میں ریکارڈ ہونے لگے گا۔ ڈرائیور الارم کو تو نظرانداز کرسکتا ہے، کیلکولیٹر کے ریکارڈ کو نہیں۔

> جب اس نے انتخابات میں دھاندلی کے بارے میں پڑھا تو 1985ء میں الیکٹرو میگنیٹک ووٹ کاؤنٹنگ مشین بنائی جس سے ایک بار ووٹ دینے کے بعد دوبارہ ڈالنے والے کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بیلٹ باکس چرانے کی کوشش بھی اس آلے سے ناکام بنائی جاسکتی ہے۔

اس بے پناہ ذہانت اور صلاحیت کے باوجود بہادر مینوفیکچر حضرات یا سرکاری اداروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ناکام رہا ہے کسی طرح کی حوصلہ افزائی یا انعام و اکرام تو دور کی بات ہے۔ بہادر کا ذہن کسی اختراع کی فکر میں ہمیشہ رہتا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ اس کے خیالات کی عملی شکل اپنی جگہ بالکل موزوں اور کارآمد نکلتی ہے۔ عجب نہیں کہ اس کی حالیہ ترین پرواز تخیل بھی کسی دن لوگوں کو حیرت زدہ کردے۔ اس کا ارادہ ہے کہ روبصحت ہوجانے پر وہ ٹیلی چلائے گا اور اس کا افتتاح امریکی صدر بل کلنٹن سے کرائے گا جو واشنگٹن میں بیٹھ کر ربن کاٹیں گے۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ صدر کلنٹن کی آواز کلپ جنریٹر کے ذریعہ ٹیلی فون سے مربوط کردی جائے گی اور ہندوستان سے پہنچے گی بہادر کا ایجاد کردہ ٹرانگر سرکیٹ سسٹم ان صوتی لہروں کو جذب کرلے گا اور موٹر کو چلا دے گا جو ہندوستان میں ربن کاٹے گا۔

تمباکو نوشی سے ہر دس سکینڈ پر ایک شخص کی موت

ترقی پذیر ممالک میں تمباکو کے استعمال میں اضافہ ہوا ہے اور ترقی یافتہ ممالک میں اس میں کمی واقع ہوئی ہے۔ عالمی تنظیم صحت کے زیر اہتمام گذشتہ دنوں منعقد یوم انسداد تمباکو نوشی تمباکو کے مضر اثرات سے لوگوں کو خبردار کرنے کی مہم کی ایک کڑی ہے۔ تنظیم کے ڈائرکٹر کا کہنا ہے کہ تمباکو کی صنعت ان بے شمار معصوموں کی موت اور اذیت کی طرف سے آنکھ بند کئے ہوئے ہے جس کا سبب ہیروئن اور کوکین جیسی مہلک نشہ آور چیزوں کی بازار میں فروخت ہے۔ انہوں نے اب سے کافی پہلے ہی جنیوا میں اخباری نامہ نگاروں کو بتایا تھا کہ اس وقت مجموعی طور پر ہر سال تین لاکھ افراد تمباکو نوشی کی وجہ سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ تنظیم نے آگاہ کیا ہے کہ اگر موجودہ عادت پر قابو نہ پایا گیا تو یہ تعداد بڑھ کر دس ملین افراد سالانہ ہوسکتی ہے۔

غور کیا جائے تو تمباکو نوشی ایک ایسی وبا ہے جو منافع خوری کے بھوکے تاجروں کی پھیلائی ہوئی ہے چاہے ان کی مصنوعات سے کتنے ہی افراد کی جان چلی جائے۔ صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں تمباکو نوشی کی عادت میں کمی آئی ہے لیکن ترقی یافتہ ممالک میں اسی قدر اضافہ بھی ہوا ہے۔

اسی طرح 1970ء کے بعد سے اب تک فی کس سگریٹ کی پیداوار میں 67 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ آزادی اور کوالٹی کی تصویر کشی کرکے سگریٹ فروش ایجنسیاں کم عمر بچوں، نوجوان لڑکے لڑکیوں اور عورتوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ کم عمر نوجوانوں میں جو لوگ آج تمباکو نوشی شروع کریں گے وہ اپنی ہی لت کی نذر ہوکر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور ان کی زندگی کی توقع آٹھ سے پچیس فیصد کم ہوجائے گی۔ زیادہ سے زیادہ تعداد میں سگریٹ بنانے اور انہیں بازار میں لانے کی کوشش کا سبب قیمت اور منافع کی جنگ ہے اور بعض صنعت کار ہر سال چھ ہزار بلین سگریٹ بناتے ہیں۔ ایک کلو خام تمباکو سے چودہ سو سگریٹ تیار ہوتی ہیں اور اس تمباکو کی قیمت دو ڈالر سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پیکٹ بنانے میں بھی بہت معمولی صرفہ آتا ہے اور دلکش برانڈ کے ساتھ ایک پیکٹ سگریٹ بازار میں بہ آسانی چار ڈالر میں فروخت ہوتا ہے۔

> عالمی تنظیم صحت کے اندازے کے مطابق پوری دنیا میں سالانہ 153 بلین ڈالر کا تمباکو استعمال ہوتا ہے۔ پوری دنیا میں اس وقت 101 بلین تمباکو نوش ہیں۔ ہر دس سکنڈ پر ایک فرد کی موت ہوجاتی ہے۔

عالمی تنظیم صحت نے تمباکو کے کاشتکاروں کی حمایت کرنے کے لئے حکومت کی مخالفت کی ہے۔ اس نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ کاشتکاروں کو روزگار کی ضمانت دینے کے لئے تمباکو پر کنٹرول کے اقدامات سے گریز صحت کے نقطہ نظر سے ایسا ہی ہے کہ اسلحہ سازی کی صنعت میں لگے ہوئے لوگوں کے روزگار کے تحفظ کے لئے عالمی امن کے مسئلے سے چشم پوشی برتی جائے۔ یوروپی اتحاد کے ممالک میں تمباکو پیدا کرنے والے کاشتکاروں کو دیگر تمام فصلیں اگانے والوں کے مقابلے میں زیادہ سہولتیں اور رعایتیں حاصل ہیں۔ ان میں بعض ممالک ایسے بھی ہیں جو تمباکو نوشی سے صحت کو لاحق ہونے والے خطرات سے بیدار کرنے کی مہم پر خرچ کرنے کے لئے یوروپین کمیشن کو دستیاب وسائل سے زیادہ تمباکو کی صنعت کو رعایتیں دیتے ہیں۔ ایک افریقی ملک میں نسبتاً زیادہ نکوٹین والے سگریٹ بنانے کی تیاری ہورہی ہے۔ تیسری دنیا اور مشرقی یوروپ کے ایسے کئی ممالک ہیں جہاں تمباکو برآمدی تجارت میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ان ملکوں کو اپنی زراعت اور فصلوں کے نظام کو نیا رخ دینے کی ضرورت ہے۔

عالمی تنظیم صحت کے اندازے کے مطابق پوری دنیا میں سالانہ 153 بلین ڈالر کا تمباکو استعمال ہوتا ہے۔ پوری دنیا میں اس وقت 101 بلین تمباکو نوش ہیں۔ ہر دس سکنڈ پر ایک فرد کی موت ہوجاتی ہے۔ اس طرح ہلاک ہونے والوں کی فیصد شرح ترقی یافتہ ممالک میں 41 مردوں اور 21 عورتوں کی اور ترقی پذیر ممالک میں 50 مردوں اور 8 عورتوں کی ہے۔

نئی کتابیں

پاکستان کی نیوکلیائی صلاحیتوں کی راہ میں امریکہ سب سے بڑا روڑہ

جنرل کے ایم عارف کی کتاب سیاسی انقلاب کے ساتھ ساتھ نیوکلیائی پروگراموں کا بھی احاطہ کرتی ہے

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔ (ادارہ)

پانچ جلدوں پر مشتمل جنرل کے ایم عارف کی کتاب "ورکنگ ود ضیاء پاکستانز پاور پالٹکس 88۔1977ء" اس صدی کی آخری چوتھائی میں پاکستان میں رونما ہونے والے انقلابات اور اہم تبدیلیوں کے پس منظر کا احاطہ کرتی ہے۔ (پہلا حصہ جس میں ذوالفقار علی بھٹو سے متعلق بعض چونکانے والے انکشافات کئے گئے تھے ہم پہلے ہی پیش کر چکے ہیں) ۔ دوسرے حصے میں پاک۔ افغانستان تعلقات کی تجدید، افغانستان الجھے کو سلجھانے میں پاکستان کی ہر سطح پر کوشش، روسی حملے سے پہلے اور اس کے بعد افغانی لیڈروں کے موقف، صدر ضیاء الحق اور ان کے بعد آنے والے حکمرانوں کے اختیار کردہ موقف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

افغان صورت حال سے پاکستان کی تشویش اس اعتبار سے بجا تھی کہ اگر سوویت یونین کو افغانستان پر اپنا تسلط مستحکم کرنے کا موقع مل جاتا تو اس کا اگلا نشانہ پاکستان اور ایران ہی بنتے اور خلیج کے خطے اور سوویت یونین کے درمیان ایک ہی ملک باقی رہ جاتا۔ پاکستان پر سوویتی تسلط کا مطلب یہ ہوتا کہ بحر عرب کے گرم پانی تک پہنچنے کا سوویت خواب شرمندہ تعبیر ہو رہا ہے۔ اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے 1978ء میں افغان صدر داؤد نے جب پاکستان کا جوابی دورہ صدر ضیاء الحق کی دعوت پر کیا تھا تو دوران گفتگو انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ پاکستان مغرب کی طرف دیکھ رہا ہے تو افغانستان دوسری ہی سمت میں بڑھ رہا ہے یعنی کہ

> مصنف کا خیال ہے کہ سپر طاقتوں نے نیوکلیائی وسائل پر اجارہ داری کی ہوس کے تحت پاکستان کے نیوکلیائی منصوبوں کے تئیں ہمیشہ غیر منصفانہ رویہ اختیار کیا ہے اور خصوصا امریکہ نے پاکستان کی نیوکلیائی صلاحیتوں کو بڑھانے کی کوششوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالی ہے

افغانستان اپنے مسلم پڑوسیوں کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کرنے کا خواہاں ہے۔ افغانی مہمان نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ دونوں ملکوں کے درمیان بڑھتی ہوئی گرمجوشی "بعض ممالک" کو ایک آنکھ نہیں بھارہی ہے۔

اسی سال کابل کی مسلح بغاوت میں صدر داؤد کو ان کے سابق حلیفوں نے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان میں مضبوط ترین شخص کمیونسٹ نواز حفیظ اللہ امین نے مسلح افواج کے ذہنوں کو مسموم کر کے حکمراں پارٹی میں انتشار پھیلایا اور آخر کار دسمبر 1978ء میں سوویت یونین اور افغانستان دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ افغانستان میں سوویت فوج ہونے کی ذمہ داری ببرک کارمل کے سر تھوپنے کی سازش بھی حفیظ اللہ امین نے ہی کی تھی کیونکہ ببرک کارمل اس وقت کابل میں کسی بااختیار منصب پر نہیں بلکہ مشرقی یوروپ میں سفارتی مشن پر تھا۔ "کامریڈ تراکی کا زمانہ تھا جن کی نظر میں فرد کے مقابلے میں پارٹی کو اولیت حاصل تھی۔ ستمبر 1978ء میں صدر ضیاء الحق کے دورہ ایران کے ضمن میں کابل میں ان کے مختصر قیام کے دوران دونوں سربراہوں کے درمیان جو مکالمات ہوئے اس میں جنرل ضیاء الحق کا موقف یہ تھا کہ زمین اللہ کی ہے اور انسان اس کا تحویلدار ہے، انسان کو اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ سارے انسانوں پر اللہ اور بندوں کے حقوق ہیں جن کی ادائیگی ان پر واجب ہے۔ اس کے مقابل تراکی کا نظریہ یہ تھا کہ زمین کا مالک وہ ہے جو اس پر کاشت کرتا ہے، خدا عادل ہے اس لئے انسان کو اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اور لوگوں کی خدمت ہی اللہ کی اطاعت و بندگی ہے۔ اس طرح دو مسلمان اسلامی فلسفے کی متضاد تعبیریں پیش کر رہے تھے۔

کتاب کے تیسرے حصے میں پاکستان کی نیوکلیائی صلاحیت کو موضوع بناتے ہوئے اس کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

اسلام آباد کے قریب نیوکلیئر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی انسٹی ٹیوٹ

مصنف کا خیال ہے کہ سپر طاقتوں نے نیوکلیائی وسائل پر اجارہ داری کی ہوس کے تحت پاکستان نیوکلیائی منصوبوں کے تئیں ہمیشہ غیر منصفانہ رویہ اختیار کیا ہے اور خصوصا امریکہ نے مستقبل کی ہمہ گیر ترقی کے حصول میں پاکستان کی نیوکلیائی صلاحیتوں کو بڑھانے کی کوششوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ اس اعتبار سے تنگ نظر مغرب کی نیوکلیائی طاقت سے استفادے کا یہ حال ہے کہ 1992ء میں فرانس میں خرچ ہونے والی بجلی کی مجموعی مقدار کا 72 فیصد حصہ نیوکلیائی طاقت سے حاصل کیا گیا تھا جب کہ اس کے برعکس پاکستان اپنی بجلی کی مجموعی مقدار کا صرف 2۔0 حصہ نیوکلیائی طاقت سے پیدا کرتا ہے۔ نیوکلیائی ٹیکنالوجی کے ٹھیکیداروں کو یہ بات ہرگز گوارہ نہیں کہ تیسری دنیا کا کوئی مسلم ملک اس میدان میں ترقی کرے۔ پاکستان میں نیوکلیائی پروگرام کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کی سرپرستی میں اس نے خاصی پیش رفت کی تھی۔ بلکہ یہ کہنا بیجانہ ہوگا کہ بھٹو نے اگر نیوکلیائی پروگرام کو تصوراتی بنیادیں فراہم کیں تو جنرل ضیاء الحق نے اسے عملی شکل دی جس کی زندہ مثال اسلام آباد کے نواح میں قائم انجینئرنگ ریسرچ لیباریٹری اور انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی ہیں جو ابھی

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

آپ کی الجھنیں

بیوی کی غضب ناکی پر برھمی کے بجائے اس کا سبب جاننے کی کوشش کریں

اگر آپ کسی الجھن میں بتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال: — اگر کسی شخص کی بیوی گھریلو معاملات میں جھگڑے کو طول دے اور سخت رویہ اختیار کرلے تو ایسی صورت حال کو کیسے سجھایا جائے کیا عورت کو زدوکوب کرنا ہی اس مسئلہ کا واحد حل رہ جاتا ہے؟

جواب: — عام تجربہ شاہد ہے کہ عورتیں جب گھر میں بات بات پر فضیحت پر اتر آتی ہیں تو شوہر صبر و ضبط کا دامن تھامے رہتا ہے اور بات کو آگے بڑھنے سے روکنے کی خاطر خود اس کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تاکہ اسے غصہ نہ آئے اور بیوی کا مزاج بھی اعتدال پر آجائے۔ بعض حالات میں یہ

> بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بیوی کے مقابلے میں زیادہ بلند آواز سے چیخ چلا کر اس پر حاوی ہوتے اور اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کار خاصا خطرناک ہے

طریقہ مفید بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مرد ہر معاملے میں دخل اندازی کرنے لگے اور بیوی سے الجھنے کو اپنا شعار بنالے تو ازدواجی زندگی میں نباہ مشکل ہوجائے گا۔ اور غصے کا جواب غصے کی صورت میں بیوی کو اگر دیا گیا تو حالات مزید خراب ہی ہوں گے، سلجھ نہیں سکتے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بیوی کے مقابلے میں زیادہ بلند آواز سے چیخ چلا کر اس پر حاوی ہوتے اور اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کار خاصا خطرناک ہے کیونکہ چیخ و پکار سے آگے کی نوبت آسکتی ہے یعنی کہ شوہر کا ہاتھ اٹھ جائے یہ دونوں باہم دست و گریباں ہوجائیں۔ بیوی کے غضب ناک ہونے پر شوہر کا چیخنا چلانا یا وقتی طور پر گھر سے نکل جانا دونوں کا دائرہ اثر محدود ہے۔ مارپیٹ کا مشورہ تو کسی حالت میں بھی نہیں دیا جاسکتا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن گھروں میں چھوٹے یا کم سن بچے ہوتے ہیں ان کے ذہن پر اپنی ماں پر ہونے والی زیادتی کا ایسا اثر مرتب ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ باپ کے لئے انتقامی جذبہ ان کی نفسیات کا حصہ بن جاتا ہے جس کی بناء پر گھر کے اندر مستقل کشیدگی کی فضا بن جاتی ہے۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر کسی گھر میں شوہر اور بیوی کے درمیان کسی موضوع پر تکرار ہوتی ہے، بیوی غضبناک ہوجاتی ہے تو اس کے اسباب و عوامل پر نظر کی جائے کہ کہیں بیوی کو گھر کے انتظامات چلانے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آرہی ہے، بیماری، کمزوری یا تھکن کے باعث اسے افرادی مدد کی ضرورت تو نہیں ہے۔ واضح رہے کہ خانہ دار خاتون گھر کے اندر مختلف کاموں کے بہانے ایک تبدیلی، کپڑوں کی دھلائی، بچوں کے ساتھ کچھ وقت گزاری، کھیل کود کے دوران ان کی نگرانی اور اگر وہ اسکول جانے کی عمر میں ہیں تو ان کی تعلیمی کارکردگی کا وقتا فوقتا جائزہ اور اسکول سے ملے ہوئے کام میں ان کی مدد۔ گویا کہ اس طرح آپ بیوی کی روزمرہ ذمہ داریوں کو کسی قدر بانٹ لیں گے تو اسے بڑی راحت ملے گی۔ یہ بات بچوں کی تعلیم و تربیت کے اعتبار سے بھی مفید ہوگی اور زوجین کے مابین تفاہم کو مضبوط کرنے میں بھی۔

> ایک بات کا لحاظ بیویوں کو بھی کرنا چاہئے کہ ہر معاملے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنانا اور شوہر سے اپنی شخصیت یا حیثیت کا اعتراف کرنے کا جذبہ ازدواجی زندگی کی کامیابی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ اسلام نے زوجین کو ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنے اور معاملہ فہمی کا طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

ایک بات کا لحاظ بیویوں کو بھی کرنا چاہئے کہ ہر معاملے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنانا اور شوہر سے اپنی شخصیت یا حیثیت کا اعتراف کرانے کا جذبہ ازدواجی زندگی کی کامیابی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ خاندان کے شیرازہ کو برقرار رکھنے کا مقصد زن و شوہر دونوں میں سے کسی کی نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس شیرازے میں رہتے ہوئے دونوں کے درمیان شکر رنجیاں تو ہوسکتی ہیں لیکن یہ نہیں کہ ایک دوسرے کے جذبات مجروح ہونے لگیں اور گھر میدان جنگ بن کر رہ جائے۔

اسلام نے زوجین کو ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنے اور معاملہ فہمی کا طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اس کی بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ کسی اختلاف کے اسباب پر غور و فکر کرنے سے آپس میں ہوجانے والی غلط فہمیوں کا جلد ازالہ ہوجاتا ہے اس سے پہلے کہ ان کے تباہ کن نتائج سامنے آئیں۔

Invitation Price Rs. 4/-
1 - 15 AUGust, 1995

The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

سنگیتا کے سوال

کناٹ پلیس کی گنجان مارکیٹ سے گزرتے ہوئے اکثر و بیشتر سنگیتا کی نگاہیں کچھ تلاش کرتی سی نظر آتی ہیں۔ خاص کر اس کی دونوں آنکھیں میگزین کے کسی اسٹال پر جم جاتی ہیں۔ دراصل سنگیتا ایک پیشہ ور ماڈل ہے۔ دن رات اس کے وجود پر ماڈلنگ کا بھوت سوار رہتا ہے۔ جب کبھی اسے بک اسٹال پر ماڈلنگ کی کوئی اچھی سی کتاب یا میگزین نظر آتی ہے تو وہ اسے ضرور خرید لیتی ہے کیونکہ بہت کم پیسوں میں اسے ماڈلنگ کے اعلی نمونے حاصل ہو جاتے ہیں۔

سنگیتا ایک 26 سالہ دوشیزہ ہے اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کا خوبصورت سا چہرہ بڑا جاذب نظر اور پر کشش ہے۔ اوائل عمر ہی سے اسے احساس تھا کہ ماڈلنگ کا فن اسے زیب دے گا۔ اس لئے اس نے گریجویشن کے زمانے سے ہی ماڈلنگ کے لئے کوششیں شروع کردی تھیں۔ بہت جلد ہی اسے آفر حاصل ہونے لگے۔ اور اس طرح وہ ماڈلنگ کی دنیا میں آہستہ آہستہ اپنی ایک الگ شناخت بنانے میں کامیاب ہوگئی۔

خوبصورت لباس یوں بھی نظروں کو بھلا لگتا ہے۔ لیکن جب یہ لباس سنگیتا کی حسین شخصیت کی زینت بنتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی نازک سا پھول کھل اٹھا ہو اور چار سو قوس قزح سی بکھر گئی ہو۔ اب تو بہت سارے اہل ثروت اور سیاستداں اس کے مداح اور شیدائی ہیں۔ اس کے پاس پیسوں کی کمی نہیں ہے اور شہرت اس کے قدموں میں ہے۔

لیکن ان سب خوبصورت لمحات کی ملکہ ہونے کے باوجود اس کے دل میں ایک چبھن سی محسوس ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ لرزہ براندام سی ہو جاتی ہے۔ ہندوستانی عورت ہونے کے ناطے جب کبھی وہ کسی روپ کنور کے جلنے یا نینا ساہنی کو تندور میں جلائے جانے کی خبر پڑھتی ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود روپ کنور یا نینا ساہنی ہے اور وہ اس لمحے کے درد اور جلن کو اپنے وجود میں محسوس کرتی ہے۔ ہندو سماج میں میرج ایکٹ کی تبدیلی کے باوجود ابھی تک اس سماج کا رویہ عورت کے معاملے میں تبدیل نہیں ہوا ہے۔ اور جب کبھی وہ کسی مسلم نقاب پوش خاتون کو دیکھتی ہے اور اس کے سکھ چین کو محسوس کرتی ہے تو اسے تعجب ہوتا ہے۔ اسے تعجب ہوتا ہے کہ کسی بھی مسلم خاتون کے بارے میں ایسی خبریں اخبار میں تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں ملتی ہیں مسلم سماج معاشی طور پر پسماندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر خواتین کے لئے بے پناہ عزت و احترام کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس کے آگے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ وہ اس کا جواب ملک کے اخبارات اور رسائل میں تلاش کرتی ہے۔ قومی اور بین الاقوامی میڈیا پر اسے تعجب ہوتا ہے کہ وہ کیوں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے ہیں۔ وہ کسی مسلمان کے چھوٹے عیب کو بھی تلاش کر لیتے ہیں لیکن انہیں پورے مسلم سماج کی بے شمار خوبیاں نظر کیوں نہیں آتیں؟۔ سنگیتا کو ان سارے سوالات کا جواب دینے والا بھی کہیں نظر نہیں آتا ہے۔

جواب آخر سنگیتا کو کیسے ملے؟ جن کے پاس سنگیتا کے ان سوالات کا جواب ہے وہ تو خود آج زندگی کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر اب کہاں جواب دینے کی فرصت ہے۔ ان کے ایمان میں اب گھن لگ گیا ہے۔ ان کے پاس بے شمار تنظیمیں اور آرگنائزیشن ہیں۔ بہت سارے سیمینار ہوتے ہیں۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ان کی میٹنگیں ہوتی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود سنگیتا کے سوالات کا جواب نہیں ملتا ہے۔ اور سنگیتا جیسی نہ جانے کتنی ان گنت خواتین آج ہندو سماج میں ان سوالات کے جواب کے لئے بے چین ہیں اور نہ جانے کتنی خواتین روپ کنور اور نینا ساہنی کے بعد اپنی باری آنے کے انتظار میں خوفزدہ سی ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی یہ آیت "تم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کے لئے برپا کئے گئے ہو"۔ اپنی تقریروں میں بار بار پڑھنے والے ہمارے علماء اس کے مفہوم سے غافل ہیں اور اپنی ذمہ داری کو بھول بیٹھے ہیں۔ قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری ذمہ داری تو انہیں پر عائد ہوتی ہے۔ اب وہی اپنا فرض بھول گئے ہوں تو دوسرے........